انی بدایونی

کلام

انی

1/

چند لفظوں میں

حضرت فانی بدایونی کی ذات گرامی دوامی شہرت و قبولیت کی حامل ہے۔ مادرِ وطن اس ہونہار فرزند پہ جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔ آپ کا شمار ملک کے اُن مقتدر باکمال شعراء میں ہے جن کی یاد ہمیشہ دِلوں میں محفوظ رہے گی۔

فانی بدایونی "یاسیات" کے امام اور افسردگی و حزن کے لاجواب ترجمان ہیں۔ آپ کا اندازِ بیان اچھوتا اور خاص ہے جو آپ کی انفرادی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ جذبات کی مصوری تخیل کی بلندی اور واقعات کی نزاکت آپ کے کلام میں پہلو بہ پہلو پائی جاتی ہے۔

ناشران

مشورہ بک ڈپو

رام نگر۔ گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس 1639 دھلی ۶

قیمت فی کتاب صرف ایک روپیہ

(مطبوعہ اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی ۶)

فانی بدایونی

کلام فانی

ناشران

مشورہ بک ڈپو

رام نگر - گاندھی نگر - پوسٹ بکس 1639 - دہلی 6

تعارف

حضرت فانیؔ بدایونی کے متعلق متعدد اہلِ قلم بقدر ظرف و نظر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اگر ان تمام حضرات کے مضامین جمع کئے جائیں تو یقیناً فانیؔ مرحوم کی شخصیت اور ان کی شاعری کے بارے میں اچھی خاصی ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک جداگانہ کام ہے۔

بہتر تو یہی تھا کہ کم از کم پروفیسر رشید احمد صدیقی، حضرت جگرؔ مرادآبادی اور حضرت جوشؔ ملیح آبادی کے تبصرے و مقالے جو اِن حضرات نے فانیؔ صاحب کی شخصیت اور اُن کے کلام سے متعلق مختلف اوقات میں سپردِ قلم فرمائے ہیں اس مجموعہ کلام کے ساتھ شائع کردیئے جاتے تاکہ قارئین کو حضرت فانیؔ کے متعلق سیر حاصل روشنی اور رہنمائی حاصل ہوتی لیکن ایسی صورت میں ضخامت غیر معمولی طور پر بڑھ جائیگی اور کلام فانیؔ کا یہ نہایت سستا ایڈیشن جو آج کے نازک ترین حوصلہ شکن اور ہوشربا گرانی کے دور میں محض اردو ادب کی بقاء و تحفظ کی نیت سے ہندوستان کا ممتاز ترین ادارہ مشورہ بک ڈپو اپنے ایک طویل پروگرام کے تحت آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہے۔ اسکا متحمل نہیں ہوسکے گا۔ اسلئے فی الحال بہت ہی مختصر تعارف پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔

حضرت فانیؔ مرحوم یاسیات کے تخلیقی فلسفہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے بلکہ انہیں اگر فلسفہ غم کا امام کہا جائے تو حق بجانب ہوگا۔

یہ بھی صحیح ہے کہ فانیؔ ہماری زبان کے تنہا غم پسند اور غم نواز شاعر نہیں تھے بلکہ وہ دوسرے شعرا کے دامن بھی کم و بیش اشکہائے غم سے تر نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ فانیؔ کے خیالات، اسالیب بیان اور اُن کا امتیازی ذوق دوسرے شعرا کے مقابلہ میں نمایاں خصوصیت کا حامل ہے۔ وہ اپنا ایک انفرادی رنگ رکھتے ہیں جو بہت گہرا ہونے کے باوجود نہایت صاف ستھرا ہے۔ اور اس امتیازِ خاص میں میرؔ غالبؔ کے علاوہ کوئی اُن کا سہیم و شریک نہیں ہے۔

بعض لوگ اپنے سطحی اور عامیانہ ذوق کی وجہ سے حضرت فانیؔ پر یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ اُن کا کلام سراسر بیم و ہراس اور رنج و یاس کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے والے کو شدتِ غم کے تلخ اور ہمت شکن جذبات سے خواہ مخواہ دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے شاید اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ وہ شخص جسکی زندگی پر کارواں در کارواں مصائب و شدائد مسلط رہے ہوں اُس کے لئے یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ وہ اپنی بذلہ سنجی اور نغمہ ریزی سے یارانِ محفل کے لئے عیش و مسرت کا سامان بہم پہنچائے۔ فانیؔ مرحوم اسی قسم کے لوگوں میں تھے۔ جن کو ساری عمر دنیا کی کوئی خوشی راس نہ آئی۔ بس غم جاوداں ہی اُن کی زندگی تھا۔ ان حالات میں وہ غم سے سازنہ کرتے تو کیا کرتے اور بالآخر تسلسل آلام نے اسی ساز کو "محبتِ غم" میں تبدیل کر دیا۔ جس نے اُن کے دل کو دردآشنا بنا دیا۔ اور اس درد نے اُن کے قلب و نظر کو ایسی وسعتیں عطا کیں کہ "عشق و عالم"

ان کے نزدیک صرف ہوسناکی اور ہوس پرستی کی تسکین کا ذریعہ تھا۔ فرماتے ہیں:-

میری ہوس کو عیش دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دُکھا ہُوا

حضرت فانی کے کلام کو پڑھ کر یہ بات بہرحال تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ دراصل غم ہی اس فانی دُنیا کی ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ اور مسرت و شادمانی محض وقتی اور ہنگامی چیز ہے جو سایہ کی طرح گزر جاتی ہے۔ فانی بدایونی نے غم کی ٹھوس حقیقت کو اپنایا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ اس حقیقت کے پُرتاثیر تاثرات نے اُن کے کلام پر مُہرِ دوام ثبت کر دی ہے۔

حضرت جوش ملیح آبادی نے بالکل درست فرمایا ہے:-

"فانی ہی وہ شخص تھا جس نے غزل گوئی کی روایتی صنف کو فطری اور باطنی صنف بنا دیا اور اسی بنا پر فانی ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس کا کلام میرے اور دنیا بھر کے اختلافات کے باوجود زندہ اور اس لئے زندہ رہے گا کہ اس میں خلوص جذبہ اور تاثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اور وہ جیسا محسوس کرتا ہے ویسا ہی کہتا ہے۔" اس کے کلام میں ایک ایسی سچائی پائی جاتی ہے جو اپنے مغنّی کے سچے سروں کو کبھی فنا نہیں ہونے دے گی۔

رضی بدایونی

وہ جی گیا جو عشق میں جی سے گزر گیا
عیسیٰ کو ہو نوید کہ بیمار مر گیا

آزاد کچھ ہوئے ہیں اسیرانِ زندگی
یعنی جمالِ یار کا صدقہ اُتر گیا

دُنیا میں حال آمد و رفتِ بشر نہ پُوچھ
بے اختیار آ کے رہا بے خبر گیا

شاید کہ شامِ ہجر کے مارے بھی جی اُٹھے
صبحِ بہارِ حشر کا چہرہ اُتر گیا

آیا کہ دِل گیا کوئی پُوچھے تو کیا کہوں
یہ جانتا ہوں دِل اِدھر آیا اُدھر گیا

مَیں نے دیا کہ تم لے دل تمہیں کہو
تم دِل میں پہلے آئے کہ دِل پیشتر گیا

ہاں سچ تو ہے شکایتِ زخمِ جگر غلط
دِل سے گزر کے تیر تمہارا کدھر گیا

دِل کا علاج کیجیے اب یا نہ کیجیے
اپنا جو کام تھا وہ غمِ یار کر گیا

کیا کہیے اپنی گرم رَوِیہائے شوق کو
کچھ دُور میرے ساتھ ہوا راہبر گیا

فانیؔ کی ذات سے غمِ ہستی کی تھی نمود
شیرازہ آج دفترِ غم کا بکھر گیا

حاصلِ علمِ بشر جہل کا عرفاں ہونا !
عمر بھر عقل سے سیکھا کیے ناداں ہونا

چارہ زنجیرِ عناصر پہ ہے زنداں موقوف
وحشتِ عشق ذرا سلسلہ جنباں ہونا

دل بس اک لرزشِ پیہم ہے سراپا یعنی
تیرے آئینہ کو آتا نہیں حیراں ہونا

فانی اگر ہو بھی مشکل ہے ہزار آسانیِ کار
میری مشکل کو مبارک نہیں آساں ہونا

راحتِ انجامِ غم اور راحتِ دنیا معلوم
لکھ دیا دل کے مقدر میں پریشاں ہونا

دے ترا حسنِ تغافل جسے جو چاہے فریب
ورنہ تو اور جفاؤں پہ پشیماں ہونا

ہائے وہ جلوۂ ایمن وہ نگاہِ سرِ طور
فتنہ ساماں سے ترا فتنہ ساماں ہونا

خاکِ فانی کی قسم ہے تجھے اے دشتِ جنوں
کس سے سیکھا ترے ذروں نے بیاباں ہونا

خوشی سے رنج کا بدلہ یہاں نہیں ملتا
وہ مل گئے تو مجھے آسماں نہیں ملتا

ہزار ڈھونڈیے اسکا نشاں نہیں ملتا
جبیں ملے تو ملے آستاں نہیں ملتا

مجاز اور حقیقت کچھ اور ہے یعنی
تری نگاہ سے تیرا بیاں نہیں ملتا

بھڑک کے شعلۂ گل تو ہی اب لگا دے آگ
کہ بجلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا

وہ بدگماں کہ مجھے تاب رنجِ زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غم جاوداں نہیں ملتا

تری تلاش کا فی الجملہ ماحصل یہ ہے
کہ تو یہاں نہیں ملتا وہاں نہیں ملتا

بتا اب اے جرسِ دور میں کدھر جاؤں
نشانِ گردِ رہ کارواں نہیں ملتا

مجھے بلا کے یہاں آکے چھپ گیا کوئی
وہ میہماں ہوں جسے میزباں نہیں ملتا

تجھے خبر ہے ترے تیر بے پناہ کی خیر
بہت دنوں سے دلِ ناتواں نہیں ملتا

کسی نے تجھ کو نہ جانا مگر یہ کم جانا
یہ راز ہے کہ کوئی رازداں نہیں ملتا

مجھے عزیز سہی قدرِ دل تمہیں کیوں ہو
کمی تو دل کی نہیں دل کہاں نہیں ملتا

دیارِ عمر میں اب قحط مہر ہے فانی
کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

قفس کے پردے میں سن میری داستاں صیاد — کہ پھر رہے نہ رہے طاقتِ بیاں صیاد
ترا اشارہ ترا ساز برق سے نہ سہی — مجھے خبر ہے کہ جلتا ہے آشیاں صیاد
نہ آ فریب کہ پروردۂ فنا ہوں میں — بنا ہے برق کے تنکوں سے آشیاں صیاد
بس ایک آہ جہاں سوز کے اثر تک ہیں — یہ خار برق قفس دام آسماں صیاد
نکل ہی جائینگے نالے دہن سے خوں ہو کر — زباں نہیں تو کھلے گی رگِ زباں صیاد
ستم رسیدۂ آوازۂ بیاں ہوں میں — قفس میں کھینچ کے لائی مری زباں صیاد
چمن میں دل ہے تو میری نگاہ میں ہے چمن — چمن سے تو مجھے لے جائیگا کہاں صیاد

یہ جذبِ ذوقِ اسیری ہے ورنہ اے فانی
کہاں میں سوختہ دل مست پر کہاں صیاد

کیا کہیے کہ بیداد ہے تیری بیداد — طوفانِ محبت کی ہے زد میں فریاد
دل محشرِ بیخودی ہے اللہ اللہ — یاد آ کے بھی بھول جانیوالے کی یاد
پابندیِ رسم برطرف کیوں اے موت — ان کے بھی کئے ہیں تو نے قیدی آزاد
اللہ یہ بجلیاں نہ کام آئیں گی — آندھی ہی سہی کیوں ہو آشیانہ برباد

دنیا جسے کہتی ہے زمانہ فانی
ہے ایک طلسم اجتماعِ اضداد

•

اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہیں ہے — اللہ رے تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہے
آتی ہے صبا سوئے لحد اُنکی گلی سے — شاید مری مٹی ابھی برباد نہیں ہے
اللہ بچائے اثرِ ضبط سے اُن کو — بیداد تو ہے شکوۂ بیداد نہیں ہے
آمادۂ فریاد رہی ہے وہ ستمگر — فریاد کہ اب طاقتِ فریاد نہیں ہے

دُنیا میں دیارِ دلِ فانی کے سوا ہائے
کوئی بھی وہ بستی ہے جو آباد نہیں ہے

•

دل چُرا کر نگاہ ہے خاموش — ہوش اور مست ہو کے اتنا ہوش
مست کو چاہیئے بلا کا ہوش — خم دیئے اور دیا نہ اذن خروش
ہر مسافر سے پُوچھ لیتا ہُوں — خانہ برباد ہوں کہ خانہ بدوش
ہوسِ جلوہ اور نظر! غافل — کہ نظر ہے صلائے جلوہ فروش
شاید اب منزلِ عدم ہے قریب — یادِ خاکِ وطن ہے طوفاں جوش
فضل تیرا خفیفِ طاعت و زہد — عدل عاصی نواز عصیاں پوش

ہجر نے کی مفارقت فانی
لے مبارک ہو موت کا آغوش

•

میں ہوں اک مرکزِ ہنگامۂ ہوش و عدمِ ہوش
دل اگر عالمِ ہستی ہے تو سر عالمِ ہوش
عدمِ ہوش پہ ہے فطرتِ ہستی مائل
کس توقع پہ اٹھائے کوئی نازِ غمِ ہوش
بیخودی مایۂ عرفاں خودی ہے یعنی
محرمِ جلوۂ اسرار ہے نامحرمِ ہوش
کچھ نہ وحدت ہے نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز
یہ ترا عالمِ ہستی وہ ترا عالمِ ہوش
مظہرِ ہستی و خلاقِ عدم ہے میری ذات
کچھ نہ تھا ورنہ بجز سلسلۂ برہمِ ہوش
عجب اک سانحۂ ہوش رُبا تھی وہ نگاہ
میں ہوں اک عمر سے فانی ہمہ تن ماتمِ ہوش

کیا ہوا باندھی ہے صدقے نالۂ شبگیر کے
آسماں پر اکھڑے جاتے ہیں قدم تاثیر کے

بے مروت بن کے اب کیا سوئے صحرا جائیے
لوٹتے ہیں پاؤں پر حلقے مری زنجیر کے

ضبط باقی غم سلامت ہے تو سُن لینا کبھی
آہ گھبرا کر نکل آئی کلیجہ چیر کے

وصل سے محروم ہیں ہُوں ورنہ گستاخی معاف
بوسے لیتا ہے تصور آپ کی تصویر کے

مجھ کو مُضطر دیکھکر کہتا ہے قاتل پیار سے
آ اِدھر سایہ میں سوجا دامنِ شمشیر کے

ساتھ جائے گا مری میت کے سامانِ خلش
دِلمیں رکھ چھوڑے ہیں پیکاں میں تیرے تیر کے

میرے مرتے ہی دِلِ بیتاب کو چین آگیا
زندگی صدقے میں اُتری گردشِ تقدیر کے

سعیِ درماں بے اثر فکرِ دوا بے فائدہ
زخمِ دِل اے چارہ گر قائل نہیں تدبیر کے

یاس کے آتے ہی ارماں یہ دِل یہ کہہ کر چلے

ہم نہیں ہیں ساتھی تری بگڑی ہوئی تقدیر کے
دیکھئے کیا ہو وہ اور آزردہ گئی بے سبب
ہم خطا ناکردہ خوگر عذرِ بے تقصیر کے
دیکھ خانیؔ وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو
اِک جنازہ جا رہا ہے دوشِ پر تقدیر کے

•

برہم ہے میری ذات سے سارا نظامِ عیش
ٹوٹا ہے میرے عہد میں نیرنگ نامِ عیش
اب احتیاج شکوۂ اختر نہیں مجھے
مینائے خونِ عیش سے بھرتا ہوں جامِ عیش
گلشن صلائے عام اسیری ہے سر بسر
پھیلا دیا بہار نے پھولوں پہ دامِ عیش

اے اجل اے جانِ فانی تو نے یہ کیا کر دیا
مار ڈالا مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا

جب ترا ذکر آ گیا ہم دفعتاً چپ ہو گئے
وہ چھپایا رازِ دل ہم نے کہ افشا کر دیا

کس قدر بیزار تھا دل مجھ سے ضبطِ شوق پر
جب کہا دل کا کیا ظالم نے رسوا کر دیا

یوں چرائیں اُس نے آنکھیں سادگی تو دیکھیے
بزم میں گویا مری جانب اشارہ کر دیا

دردمندانِ ازل پر عشق کا احساں نہیں
درد یاں دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا

دِل کو پہلو سے نکل جانے کی پھر رٹ لگ گئی
پھر کسی نے آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کر دیا

بچ رہا تھا ایک آنسو وارد گیر ضبط سے
جوشِ غم نے پھر اُسی قطرے کو دریا کر دیا

فانیٔ مہجور تھا آج آرزو مندِ اجل
آپ نے آ کر پشیمانِ تمنا کر دیا

حجاب اگر من و تو کا نہ درمیاں ہوتا
پیامِ حسن محبت کی داستاں ہوتا
تری تلاش کا افسانہ گریباں ہوتا
رہِ مجاز کا ہر ذرہ اک زباں ہوتا

مرا وجود ہے تیری نگاہ خود نہ شناس
وہ راز ہوں کہ نہ ہوتا جو رازداں ہوتا

کمال ضبطِ غمِ عشق اے معاذ اللہ
کہیں کہیں سے جو یہ ماجرا بیاں ہوتا

بنائے جلوہ گر گر ناز ہے جبینِ نیاز
جو دردِ عشق نہ ہوتا تو دل کہاں ہوتا

تمام قوتِ غم صرفِ دل ہوئی ورنہ
زمیں زمیں ہی نہ ہوتی نہ آسماں ہوتا

سکونِ خاطرِ بلبل ہے اضطرابِ بہار
نہ موجِ بوئے گل اٹھتی نہ آشیاں ہوتا

تری جفا کے سوا بھی ہزار تھے انداز
کوئی تو اہلِ وفا کا مزاج داں ہوتا

مٹا دیا غمِ فرقت نے ورنہ میں فانیؔ
ہنوز ماتمِ مرگِ ناگہاں ہوتا

عشق عشق ہو شاید حسن میں فنا ہو کر
انتہا ہوئی غم کی دل کی ابتدا ہو کر

دل ہمیں ہوا حاصل درد میں فنا ہو کر
عشق کا ہوا آغاز غم کی انتہا ہو کر

نامراد رہتے تک نامراد جیتے ہیں
سانس بن گئی ہے اک نالۂ نارسا ہو کر

اب ہوئی زمانہ میں شیوۂ وفا کی قدر
عالم آشنا ہے وہ دشمن وفا ہو کر

اور بندے ہیں جن کو دعوئ خدائی ہے
تھی ہماری قسمت میں بندگی خدا ہو کر

عمر خضر کے اندازہ ہر نفس میں پاتا ہوں
زندگی نئی پائی آپ سے جدا ہو کر

بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے مرتے ہیں نہ جیتے ہیں
درد پر خدا کی مار دل میں رہ گیا ہو کر

کارگاہ حسرت کا حشر کیا ہوا یارب
داغ دل پہ کیا گزری نقش مدعا ہو کر

عشق سے ہوئے آگاہ صبر کی بھی حد دیکھی
خاک میں ملا دو گے دیر آشنا ہو کر

کی قضائے مبرم نے زندگی کی غمخواری
درد کی دوا پہنچی درد بے دوا ہو کر

زندگی سے ہو بیزار فانی اس سے کیا حاصل
موت کی منا لو گے جان سے خفا ہو کر

خونِ ناحق کا گلہ تھا کچھ ادب کا جوش تھا
لاش کی صورت زباں تھی اور میں خاموش تھا

نور برق معرفت بخش دلِ آگاہ نے
ورنہ پہلے سوزِ غم ایک شعلۂ بے ہوش تھا

ہائے کیا دن ہیں کہ نقش سجدہ ہے اور سر نہیں
یاد ہیں وہ دن کہ سر تھا اور وبالِ دوش تھا

عشق کی دنیا زمیں سے آسماں تک خوق تھی
تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا

دل کی ہر کروٹ میں اک دنیا بنی اِک مِٹ گئی!
ہائے اِن دو خون کی بوندوں میں کتنا جوش تھا

سرگذشت عمر کہیے اس کو یا رودادِ عشق!
دل کے لب جنبش میں تھے اور میں سراپا گوش تھا

کیا یہ فانیؔ کر رہا تھا عالمِ ہستی کی سیر
آگے آگے بیخودی تھی پیچھے پیچھے ہوش تھا

حیراں ہوں رنگِ عالمِ تصویر دیکھ کر
کیا یاد آ گیا مجھے زنجیر دیکھ کر

قسمت کے حرف سجدۂ در سے مٹا تو دوں
دِل کانپتا ہے شوخیِ تدبیر دیکھ کر

ہے ہے وہ اہلِ ذوق کی زنداں گزاریاں
سر پیٹتا ہوں خانۂ زنجیر دیکھ کر

وہ بیوفا جفا سے بھی اب آشنا نہیں
کیا منفعل ہوں آہ کی تاثیر دیکھ کر

فانیؔ وداعِ ہوش ہی کرنا پڑا مجھے
تن سے وداعِ روح میں تاخیر دیکھ کر

●

نہیں کہ وحشتِ دِل چارہ گر نہیں ہے مجھے
جنونِ چارۂ وحشت مگر نہیں ہے مجھے

خرابِ لذتِ جانکاہیِ محبت ہوں
مآلِ عشق سے قطعِ نظر نہیں ہے مجھے

نہیں یہ مُردنِ دُشوار بے سبب یعنی
یقینِ مژدۂ پیغامبر نہیں ہے مجھے

جنوں سہی اثرِ بیخودیِ غم نہ سہی
تمہیں خبر ہے کہ اپنی خبر نہیں ہے مجھے

نہ بارِ منتِ ناخن نہ خطرۂ سوزن
مجالِ بخیۂ زخمِ جگر نہیں ہے مجھے

یہ کیا ہے پھر کہ مجھے اک جہاں نظر آیا
خمارِ بادۂ حدت اگر نہیں ہے مجھے

یہ جستجو ہے کہ ہے عالمِ مجاز کہاں
تلاشِ چشمِ حقیقت نگر نہیں ہے مجھے

ہلاکِ تلخیِ تاثیرِ شکوہ ہوں فانیؔ
شکایتِ گلۂ بے اثر نہیں ہے مجھے

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم
ہوا نہ رازِ رضا فاش وہ تو یہ کہئے
مرے نصیب میں تھی ورنہ سعیِ نامعلوم
دعا تو خیر دعا ہے امیدِ خیر بھی ہے
یہ مدعا ہے تو انجامِ مدعا معلوم

اشارہ جانتا ہوں فریبِ نظر کو میں
دیکھوں الٹ کے پردۂ داغِ جگر کو میں
ہر نقشِ پا کو دیکھ کے دھنتا ہوں سر کو میں
پہچانتا نہیں ہوں تری رہگذر کو میں
عہدِ خزاں میں رفتۂ آشوبِ ہوش ہوں
بھولا ہوا ہوں موسمِ دیوانہ گر کو میں
گم کردہ راہ ہوں قدمِ اولیں کے بعد
پھر راہبر مجھے نہ ملا، راہبر کو میں
وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو
پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں
مایوسِ انتظار ہوں مجنونِ اضطراب
ہنستا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں
بہلا نہ دل نہ تیرگیِ شامِ غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں
دو تین ہچکیوں میں دمِ نزع کہہ گیا
شرحِ درازیِ زندگیِ مختصر کو میں
فانی دعائے مرگ کی فرصت نہیں اب مجھے
یعنی ابھی تو ڈھونڈ رہا ہوں اثر کو میں

مری آنکھوں سے بہنا چاہیئے دل کا لہو برسوں
رہی ہے اُن کو خونِ آرزو کی آرزو برسوں

چھٹے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی
ترے غم نے بچائی زندگی کی آبرو برسوں

لگا ہوں دلوں میں دل لے آنکھوں میں تجھے ڈھونڈا
تیری دھن میں رہے سودائیانِ جستجو برسوں

نقابِ جلوہ کی کایا پلٹ دی شوقِ بیحد نے
مری وحشت نے توڑا ہے طلسمِ رنگ و بو برسوں

تری ایذا پسندی کی ادا بھی کیا قیامت ہے
مجھے مرنے نہ دیگی آرزوئے مرگ تو برسوں

ہماری بیکسی کی موت بدلہ تھی اسیری کا
رہا طوقِ اسیر بھی گرفتارِ گلو برسوں

کٹے جائیں گے دل کے خاتمہ پر شکر کے سجدے
وفاؤں نے کیا ہے خونِ حسرت سے وضو برسوں

نہ چھیڑ اے نامرادی خستۂ اُمید باطل ہوں
رہا ہے چاک دل آزردۂ منتِ رفو برسوں
تجھے اور سوالِ دل سے یہ تجاہل توبہ کر توبہ

کہ تجھ سے میری خاموشی نے کی ہے گفتگو برسوں
مری اِک عمرِ فانی نزع کے عالم میں گزری ہے
محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

•

جو تابِ دلنوازی و درماں نہ لا سکے — مَیں ہُوں وہ دردِ غم کدۂ روزگار میں
ہے عکسِ روئے دوست پہ اک پرتوِ مجاز — میری نظر بھی کھنچ گئی تصویرِ یار میں
دعویٰ یہ ہے کہ عشقِ معشوق ہے محال — مطلب یہ ہے کہ قرب نہیں اختیار میں
قرباں اِک ادائے تغافل پہ لاکھ بار — وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں

•

لاؤ کچھ تکملۂ شوق کا ساماں کر لیں
دلِ بیتاب کو بھی دیدۂ حیراں کر لیں
ہر نفس وقفِ خیالِ رُخِ جاناں کر لیں
زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کر لیں
دادِ مظلوم نگاہی بھی تو لے لینے دے
ٹھہر اے موت کہ قاتل کو پشیماں کر لیں

دشمنِ جاں تھے تو جانِ مدعا کیوں ہو گئے
تم کسی کی زندگی کا آسرا کیوں ہو گئے

کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے
وہ جتانا سے پر ترا کتنا خفا کیوں ہو گئے

تو مرے دل کی روشن یہ آئینہ ہے اس سے پوچھ
تیری صورت آشنا وعدہ آشنا کیوں ہو گئے

کیا تمہیں اندازۂ ضبطِ محبت ہو گیا!
چشمِ بد دور اب ستم حد سے سوا کیوں ہو گئے

دل کی صورت آ کے پہلو سے تمہیں جانا نہ تھا
آہ گئے بھی تھے تو جانِ بیوفا کیوں ہو گئے

کیا سنانا چاہتا ہے اے فریبِ التفات
پھر بے لب آج مطلب آشنا کیوں ہو گئے

آہ فانی بڑھ گئی بیتابیٔ دل بعدِ مرگ
کیا کہیں مر کر گرفتارِ بلا کیوں ہو گئے

شکوہ کیا کیجے نگاہِ یار خود غم دیدہ ہے
کیا تماشا ہے کہ دل کا چور بھی دزدیدہ ہے
اُس کی آتی ہے جُدا میرا وجود اللہ رے ہم
بُلبلا ہے عین دریا پھر بھی دامن چیدہ ہے
مائل پروانہ ہے مقتل میں خونِ گرم دل
آتشِ سیال تھا اب شعلۂ بالیدہ ہے

رہ جائے بلا سے یہ جاں رہ نہ جائے
تیرا تو اے ستمگر ارمان رہ نہ جائے
جو دل کی حسرتیں ہیں سب وہ ملیں تو بہتر
اس گھر سے کوئی باہر مہمان رہ نہ جائے
اے سوزِ غم جلا دے اے دردِ خوں رلا دے
کچھ ان کی دل لگی کا سامان رہ نہ جائے
سب منزلیں چکی ہیں حشر ہے کڑا اے دل
یہ ایک رہ گیا ہے میدان رہ نہ جائے
وہ جام کفر پرور بھر دے کہ مست کر دے
مستوں کے دل میں ساقی ایمان رہ نہ جائے
آ کر پلٹ نہ خالی اے مرگ جان لے جا
فانی کے سر پہ تیرا احسان رہ نہ جائے

مشتاقِ خبر وارسی یار ہیں ہم، دل ہی جگر سے
ملتی ہے زمانے کی نظر انکی نظر سے

منہ ڈھانپ لیا جوشِ ندامت کے اثر سے
خورشیدِ قیامت نے مرے دامنِ تر سے

یہ سایہ بھی اٹھا مری امید کے سر سے
منہ موڑ لیا آہ نے دنیائے اثر سے

دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں
ملنے کو تو ملتی ہے نظر ان کی نظر سے

پیکاں کے بھی ٹکڑے ہیں لہو کے بھی ہیں ٹکڑے
سینہ میں ہیں سوغاتِ خدنگِ الفتِ نظر سے

امید اثر اور ان آہوں کو جو نکلیں
اللہ کا گھر پھونک کے اللہ کے گھر سے

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزمِ نوازش
لبیک کی آتی ہے صدا چاکِ جگر سے

عرفانِ محبت سے جدا دل نہیں ہوتا
لیتے ہیں یہاں فال خبر ذوقِ خبر سے

بیکار رہی وحشت میں ہم اے گریۂ وحشت
دیوار کی صورت کو ملا لیتے ہیں در سے

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانی
روتی ہے گلے مل کے سحر شمعِ سحر سے

وحشتِ عشق نے ہوش میں لانا چاہا
عقلِ کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا

ہم کو مرنا بھی میسر نہیں جینے کے بغیر
موت نے عمرِ دو روزہ کا بہانہ چاہا

پھر کچھ اے بے خبری تجھ میں کمی ہوتی ہے
درد نے کیا مجھے پھر ہوش میں لانا چاہا

اثر پابندِ بیتابی نہیں تو ضبط بھی کیوں ہو
بلا سے حالِ دل کچھ بھی سہی ناگفتنی کیوں ہو

خدا رکھے محبت کو نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
اجل کہتے ہیں جسکو وہ ہماری زندگی کیوں ہو

ستم کا لطف بھی ہے امتیازِ لطف کے دم تک
کرم بھی کیوں نہ ہو پیدا اگر بیداد ہی کیوں ہو

ٹھکانا ہے سرِ تقدیر پہ اِک خونِ ناحق کا
تری تلوار میرے خون میں ڈوبی ہوئی کیوں ہو

نگاہِ یاس کو روداد حسرت کہہ تو لینے دے
ترے دل کو لگے ظالم وہی دل کی لگی کیوں ہو

ہماری بیخودی منجملۂ آدابِ اُلفت ہے
کسی کو دیکھ کر دل روشناسِ آگہی کیوں ہو

کسی کی یاد بھی لپٹی ہوئی ہے دامنِ دل سے
مری میت پہ فانی نوحہ گر اِک بیکسی کیوں ہو

سرِ یورش برق گرتی وہ ہجومِ ناز ہوتا
وہ نظر فریب جلوہ جو نظر نواز تھا

مجھے اپنی مغفرت کی تو نہیں یہ جانتا ہوں
مری توبہ چاہتی ہے درِ توبہ باز ہوتا

مرے شوق نے سکھایا اُسے شیوہ تغافل
نہ مجھے نیاز ہوتا نہ وہ بے نیاز ہوتا

●

خود لے جا ہٹا کے حدِ ناز
دل ہے آوارۂ حدودِ نیاز

ہوں مگر کیا یہ کچھ نہیں معلوم
میری ہستی ہے غیب کی آواز

ہوں اسیرِ فریبِ آزادی
پر ہیں اور مشقِ حیلۂ پرواز

آج اچھے نہیں الٰہی خیر
درد کے تیور آہ کے انداز

کیوں فلک! انتہا ہوئی کہ نہیں
ایک دم رہ گیا ہے اب دمساز

ہے کوئی شے تو یار و جلوہ یار
یہ حقیقت ہے اور یہ اصل مجاز

ہاں یہاں کوئی شے نہیں باطل
عشق ہے رازِ عقل پردہ راز

اپنی صبر آزما نظر کو سنبھال
ہم ہیں مجبور آہ صبر گداز

جان فانیؔ ترے کرم پر نثار
تو نے بخشی حیات مرگ نواز

چمکا دیا ہے رنگِ چمن لالہ زار نے — شاید خزاں کو آگ لگا دی بہار نے
ہر شامِ شامِ گور ہے ہر صبح صبحِ حشر — کیا دن دکھائے گردشِ لیل و نہار نے
تربت کے پھول شام سے مرجھا کے رہ گئے — رو رو کے صبح کی مری شمعِ مزار نے
ہاں ہم نہ تھے فریبِ تمنا سے بے خبر — کیا کہیے کیا کیا دلِ امیدوار نے
اپنی تو ساری عمر ہی فانیؔ گزار دی
اک مرگِ ناگہاں کے غمِ انتظار نے

عیشِ جہاں باعثِ نشاط نہیں ہے — خندۂ تصویر انبساط نہیں ہے
گریہ کے آداب کے حواس ہیں کس کو — ہائے کہ اب تاب احتیاط نہیں ہے
روح کو کیوں تن سے اختلاط ہے باقی — دہر میں اب رسمِ اختلاط نہیں ہے
طاقتِ دل دے چکی جواب اب تک — قوتِ غم رو بہ انحطاط نہیں ہے
اُن کی جفا میں بھی رنگِ وفا نہیں یعنی — غیر سے بھی اب وہ ارتباط نہیں ہے
داغ باندازۂ جگر نہیں فانیؔ
وسعتِ منزل بقدرِ بساط نہیں ہے

جمالِ خود رُخِ بے پردہ کا نقاب ہُوا
نئی ادا سے نئی وضع کا حجاب ہُوا

مِلا ازل میں مجھے میری زندگی کے عوض
وہ ایک لمحہ ہستی کہ صرف خواب ہُوا

سکونِ قلب میسّر ہے موت ہی سہی
غرض کہ خاتمۂ رنجِ اضطراب ہُوا

وہ جلوہ مُفت نظر تھا نظر کو کیا کہیے
کہ پھر کبھی ذوقِ تماشا نہ کامیاب ہُوا

اُلٹ گئی مری اُمیدِ بیم کی دُنیا
یہ کیا نظامِ تمنا میں انقلاب ہُوا

گناہگار سہی دل مگر قصور معاف
ظہورِ شوق بہ اندازہ حجاب ہُوا

قضا کو مژدۂ فرصت کہ فانیؔ مجبور
شہیدِ کشمکشِ صبر و اضطراب ہُوا

عشق نے دل میں جگہ کی تو قضا بھی آئی
درد دنیا میں جب آیا تو دوا بھی آئی

دل کی ہستی سے کیا عشق نے آگاہ مجھے
دل جب آیا تو دھڑکنے کی صدا بھی آئی

صدقے میں اتریں گے اسیرانِ قفس چھوٹے ہیں
بجلیاں لے کے نشیمن پہ گھٹا بھی آئی

ہاں نہ تھا بابِ اثر بند مگر کیا کہیے
آہ پہنچی تھی کہ دشمن کی دعا بھی آئی

آپ سوچا ہی کیے اس سے ملوں یا نہ ملوں
موت مشتاق کو مٹی میں ملا بھی آئی

لو مسیحا نے بھی اللہ نے بھی یاد کیا
آج بیمار کو ہچکی بھی قضا بھی آئی

دیکھ یہ جادۂ ہستی ہے سنبھل کر فانیؔ
پیچھے پیچھے وہ دبے پاؤں قضا بھی آئی

تاکید ہے کہ دیدۂ دِل وا کرے کوئی
مطلب یہ ہے کہ دُور سے دیکھا کرے کوئی

آتے ہی تیرے وعدۂ فردا کا اعتبار
گھبرا کے مر نہ جائے تو پھر کیا کرے کوئی

وہ جلوہ بے حجاب سہی ضد کا کیا علاج
جب دل میں رہ کے آنکھ سے پردہ کرے کوئی

کہتے ہیں حسن کی ہی امانت ہے دردِ عشق
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

خالی ہے بزمِ ذوقِ طلب اہلِ ہوش سے
اِتنا نہیں کہ تیری تمنا کرے کوئی

وہ درد ہے کہ موت بھی جِس کی دوا نہ ہو
اُس دل کو موت دے جسے اچھا کرے کوئی

فانیؔ دعائے مرگ کی تکرار کیا ضرور
غافل نہیں کہ اُن سے تقاضا کرے کوئی

●

سیکھئے دِل کے چھینے کے ڈھنگ
نہ گئی دِل کے ساتھ دِل کی اُمنگ

دِل ہے اور سحر سازیٔ ادراک
آنکھ ہے اور فریب گردشِ رنگ

تیغ قاتل تری دُہائی ہے
میری موت اور یہ دستبردِ درنگ

دین و دُنیا نے دیدہ و دل ہیں
بزم صد رنگ و جلوۂ بیرنگ

شمع ہوں بے نیازِ ظلمت و نور
آئینہ ہوں بغیر صیقل و زنگ

میں ہوں عالم کو جیدلی کا پیام
خیر و شر مدعا نہ صلح نہ جنگ

رازِ نیرنگیٔ حقیقت ہوں
میں ہوں فانیؔ حقیقت نیرنگ

اللہ اللہ یہ شانِ کشتۂ ناز — ہے مری خاک سجدہ گاہِ نماز

ہاں شبِ ہجر آج صبح نہ ہو — ہاں چلی جائے یادِ زلفِ دراز

دھیان تیرا بغیبتِ شوق بھی — دلِ عاشق ہے ایک دو رخ راز

چشمِ حاسد تجھے نہ دیکھ سکی — ہوں دلیلِ بلندیٔ پرواز

آج پہلو میں کیوں ہے سناٹا — کیا ہوئی آہ آہ کی آواز

راس آئے ہیں اشک و آہ کسے — کر نہ آب و ہوائے غم سے ساز

آپ ہی اپنی آڑ میں تو ہے — تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز

ہم ہیں اور عزمِ آشیاں یعنی — رہ گئی دور طاقتِ پرواز

ہے کہ فانیؔ نہیں ہے کیا کہیے
راز ہے بے نیاز محرمِ راز

۵

بشر میں عکس موجوداتِ عالم ہمنے دیکھا ہے
وہ دریا ہے یہ قطرہ لیکن اس قطرہ میں دریا ہے

مری میّت پہ اُن کا طرزِ ماتم کس بلا کا ہے
دلِ بے مدعا سے پُوچھتے ہیں مدعا کیا ہے

مری آنکھوں میں آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہوں کیا ہے
ٹھہر جائے تو انگارہ ہے بہہ جائے تو دریا ہے

کوئی دِل میں نہیں آیا تو پھر یہ داغِ دِل کیا ہے
بتا اے عشق یہ کس چور کا نقشِ کفِ پا ہے

میری تحریر وسیوں کا فیضِ جاری ہے رگ و پے میں
جس میں جو لہو کی بُوند ہے خونِ تمنا ہے

غبارِ رشکِ نگارستاں حسرت یاس کے منظر
ہمارے دِل کی دُنیا بھی کوئی دُنیا میں دُنیا ہے

تمہارے ظلم طعنے غیر کے لوگوں کے آوازے
محبت میں دلِ مجبور کو سب کچھ گوارا ہے

نظر آتے ہیں دِل میں آج پھر آثار بے تابی
ہم اے امید سمجھے اس میں کچھ تیرا اشارا ہے

محبت ہی نہیں تو پاس آدابِ محبت کیا

٭

مر کر مریضِ غم کی وہ حالت نہیں رہی
یعنی وہ اضطراب کی صورت نہیں رہی
ہر لمحۂ حیات رہا وقفِ کارِ شوق
مرنے کی عمر بھر مجھے فرصت نہیں رہی
اک نالۂ خموش مسلسل ہے اور ہم
یا دش بخیر ضبط کی طاقت نہیں رہی
یوں مٹ گئی وفا کہ زمانے کا ذکر کیا
اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی
وہ عہد دلفریبئ تاثیر اب کہاں
مدت سے آہ آہ کی حسرت نہیں رہی
اُن کے تو دل سے نقشِ کدورت بھی مٹ گیا
ہم شاد ہیں کہ دل میں کدورت نہیں رہی
دل اور ہوائے سلسلہ جنبانی نشاط
کیوں پاس وضع غم تجھے غیرت نہیں رہی
اے دردِ عشق اب تو خدا کیلئے نہ چھیڑ
دل میں کراہنے کی بھی طاقت نہیں رہی

ہر بے گُنہ سے وعدۂ بخشش ہے روزِ حشر
گویا گناہ کی بھی ضرورت نہیں رہی

اے عرضِ شوق مژدہ کہ دِل چاک ہو گیا
تکلیفِ پردہ داریٔ حسرت نہیں رہی

پتھرا گئی تھی آنکھ مگر بند تو نہ تھی
اب یہ بھی اِنتظار کی صُورت نہیں رہی

عبرت نے بے کسی کا نشاں بھی مٹا دیا
اُڑتی تھی جس پہ خاک وہ تربت نہیں رہی

محشر میں بھی وہ عہدِ وفا سے مکر گئے
جس کی خوشی تھی اب وہ قیامت نہیں رہی

کِس مُنہ سے غم کے ضبط کا دعویٰ کرے کوئی
طاقت بقدرِ حسرت راحت نہیں رہی

فانیؔ اُمیدِ مرگ نے بھی دے دیا جواب
جینے کی ہجر میں کوئی صورت نہیں رہی

پھر دلِ بیتاب ہے آرام جانِ اضطراب
پھر تمنا ہے کسی کی میہمانِ اضطراب

ہم ہوئے جاتے ہیں قائل آہ کی تاثیر کے
اُس نے کیا کیا کہہ کر بڑھا دی آج شانِ اضطراب

کب سے آغوشِ لحد میں ہم ہیں سر تا پا قرار
وہ ستم پرور سے ابتک بدگمانِ اضطراب

مجھ کو مضطر دیکھ کر اُن کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہیں وہ نگاہیں رازدانِ اضطراب

اشک ایک ایک کر کے سب آوارۂ دامن ہوئے
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشانِ اضطراب

وقتِ عرضِ حالِ دل اس فکر نے مارا مجھے
کیجئے آغاز کیوں کر داستانِ اضطراب

اضطرابِ دل کے شکووں نے کیا اُلٹا اثر
بے نیازِ نطق ہے گویا زبانِ اضطراب

رازِ ضبطِ غم الٰہی کس نے افشا کر دیا
ہے اُنہیں میری خموشی پر گمانِ اضطراب

سینۂ فانیؔ ہے یا جولانگہِ برقِ فنا
دِل ہے یا رب یا بلائے آسمانِ اضطراب

عشق ہے پرتوِ حُسنِ محبوب
آپ ہی اپنی تمنا کیا خُوب

طلب محض ہے سارا عالم
کوئی طالب ہے نہ کوئی مطلُوب

قلب ادراک دماغ اور حواس
مجھ سے منسوب ہیں تجھ سے مغلوب

وادیٔ شوق میں وارفتۂ رفتار ہیں ہم
بیخودی کچھ تو بتا کس کے طلب گار ہیں ہم
ہاں ابھی بے خبرِ لذتِ آزار ہیں ہم
مژدہ اے مشقِ ستم تازہ گرفتار ہیں ہم
ہو غمِ ہستیٔ جاوید گوارا کیوں کر
جان کیا دیں کہ بہت جان سے بیزار ہیں ہم
مَیں نے گویا صلۂ مہر و وفا بھر پایا
کاش اِتنا ہی وہ کہہ دیں کہ جفاکار ہیں ہم
حُسن حیرت تو میسّر ہے تماشا نہ سہی
تیری محفل میں ہیں گو نقش بدیوار ہیں ہم
یوں تو کچھ غم سے سروکار نہ راحت کی تلاش
غم کوئی دل کے جو دیدے تو خریدار ہیں ہم
وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی
دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہگار ہیں ہم

کیا کہیں، کیوں خاموش ہوئے ہیں سن کے تری فرقت کی خبر ہم
نالۂ دل کے جتنے تھے اجزا ہو گئے سارے درہم برہم
گو بیٹھے بھی اٹھے ہم محفلِ دشمن میں تیری خاطر
بیٹھ گئے دلِ زار کی صورت اٹھے صورت دردِ جگر ہم
شکوۂ جورِ بتاں ہم کرتے ظاہر دردِ نہاں ہم کرتے
مانا آہ و فغاں ہم کرتے لاتے کہاں سے تجھ کو اثر ہم
کوئی گھڑی اے بیخودئ غم دم لینے دے سنبھلنے دے
آ کوئی دم اے ہوش کہ تجھ سے پوچھیں گے کچھ اپنی خبر ہم
دوست تسلی دینے آئے لے کے دوائیں چارہ گر آیا
لیجئے آئی زخمِ جگر پہ اور اک تازہ آفت مرہم
ڈوب ہی جائے کشتئ ہستی کچھ تو ہو آخر ورنہ کہاں تک
بحرِ تلاطم خیز جہاں میں یوں ہی رہیں گے زیر و زبر ہم
گھڑیاں اپنی عمر کی ہم نے غنچوں میں چل پھر کے گذاریں
آئے تھے فانی باغِ جہاں میں گویا مثلِ نسیم سحر ہم

یاں ہوش سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا !
اس بزم میں ہشیار ہوا بھی نہیں جاتا

کہتے ہو کہ ہم وعدۂ پرسش نہیں کرتے
یہ سُن کے تو بیمار ہوا بھی نہیں جاتا

دشواریٔ انکار سے طالب نہیں ڈرتے
یوں سہل تو اقرار ہوا بھی نہیں جاتا

آتے ہیں عیادت کو تو کرتے ہیں نصیحت
احباب سے غم خوار ہوا بھی نہیں جاتا

جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمیں
اب جان سے بے زار ہوا بھی نہیں جاتا

غم کیا ہے اگر منزلِ جاناں ہے بہت دُور
کیا خاک رہِ یار ہوا بھی نہیں جاتا

دیکھا نہ گیا اُس سے تڑپتے ہوئے دل کو
ظالم سے جفا کار ہوا بھی نہیں جاتا

یہ طرفہ ستم ہے کہ ستم بھی ہے کرم بھی
اب خوگرِ آزار ہوا بھی نہیں جاتا

•

خود مسیحا خود ہی قاتل ہیں تو وہ بھی کیا کریں
زخمِ دل پیدا کریں یا زخمِ دل اچھا کریں

دل رہے آلودہ دامن اور ہم دیکھا کریں
آج اے اشکِ ندامت آ، تجھے دریا کریں

جسمِ آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی رُوح
خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں

خون کے چھینٹوں سے کچھ پھولوں کے خاکے ہی سہی
موسمِ گُل آ گیا زنداں میں بیٹھے کیا کریں

جا بجا تفسیرِ حالِ دل کے چرچے ہیں تو ہوں
ہم ہوئے رُسوا مگر اب ہم کسے رُسوا کریں

ہاں نہیں شرطِ مروّت حسرتِ تاثیرِ درد
رحم آ ہی جائے گا اُن سے تقاضا کیا کریں

شوقِ نظارہ سلامت ہے تو دیکھا جائیگا
اُن کو پردہ ہی اگر منظور ہے پردہ کریں

ظرفِ ویرانہ بقدرِ ہمتِ وحشت نہیں
لاؤ ہر ذرہ میں پیدا وسعتِ صحرا کریں

مرگِ بے ہنگام فانیؔ وجہِ تسکیں ہو چکی
زندگی سے آپ گھبراتے ہیں گھبرایا کریں

•

مر کے تیرے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہیں
ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں

بیزار ہو نہ جائے کہیں زندگی سے دل
تاثیر سے خفا مرے نالے ہوئے تو ہیں

ہاں دردِ عشق اُن پہ کرم کی نظر رہے
صبر و قرار تیرے حوالے ہوئے تو ہیں

یہ صحبتیں بھی دیکھئے لاتی ہیں رنگ کیا
مہمانِ خار پاؤں کے چھالے ہوئے تو ہیں

کیا جانئے کہ حشر ہو کیا صبحِ حشر کا
بیدار تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہیں

فانیؔ ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی پر
سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

●

لب منزلِ فغاں ہے نہ پہلو مکانِ داغ
دل رہ گیا ہے نام کو باقی نشانِ داغ

اے عشق خاکِ دل پہ ذرا مشقِ فتنہ گر
پیدا کر اس زمیں سے کوئی آسمانِ داغ

دل کچھ نہ تھا تمہاری نظر نے بنا دیا
دُنیائے درد عالمِ حسرت جہانِ داغ

پہلے اجل کو رخصتِ تلقینِ صبر دے
پھر آخری نگاہ سے سن داستانِ داغ

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جس میں چپ کی داد
یہ حشر ہے یہاں تو کھُلے گی زبانِ داغ

ہم سادہ دل ہیں خوش کہ ہوئی نذرِ دل قبول
اُس بدگمان کو مدِ نظر امتحانِ داغ

سارا ملال پیار کی نظروں سے مٹ گیا
ان رہزنوں نے لُوٹ لیا کاروانِ داغ

فانیؔ زمینِ گورِ غریباں ہے لالہ زار
پھر فصلِ گل میں خاک ہوئی ترجمانِ داغ

•

وائے نادانی یہ حسرت تھی کہ ہوتا در کھلا
ہمقفس رازِ اسیری کیا کہیں کیونکر کھلا

فرصتِ رنجِ اسیری دی نہ ان دھڑکوں نے ہائے
اب پھری صیاد نے لی اب قفس کا در کھلا

اللہ اللہ اک دعائے مرگ کے دو دو اثر
واں کھلا بابِ اجابت یاں قفس کا در کھلا

اُف اس آزادیِ بے ہنگام کی مجبوریاں
ہیں قفس کے پاس یوں بیٹھا ہی رہتا پر کھلا

عجلت پیدا نہ جب ملنے بھی دے راہِ گریز
یوں تو کھلنے کو قفس کا در کھلا اکثر کھلا

بند ہے بابِ قفس ہو پر تو کیسے جائیے
ہم نے دیکھا ہے قفس کی تیلیوں میں در کھلا

کم تو کیا صیاد بے تابی سوا ہو جائیگی
تو نے نا جو تیلیوں میں رکھ دیا خنجر کھلا

آسماں گر ہم تلافی چاہیئے کیسا قفس
بجلیوں کے اک اشارے میں قفس کا در کھلا

ہجرِ ساقی میں ہمارے گھر کی کیفیت نہ پوچھ
بند رہا ہر خُمِ خالی دل بھرا ساغر کھلا

لکھ چکے ہم جا چکا خط گر یہی حالت رہی
ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا

دل میں زخم اشکوں میں خوں تصویرِ وحشت ہیں عالم میں
وہ نگہ اُف وہ مژہ ناوک چھپا نشتر کھلا

دم بخود سکتے کا عالم مردنی چھائی ہوئی
رنگ میری زندگی کا میری میت پہ کھلا

دیکھئے کیا گل کھلاتی ہے بہار اب کے برس
خواب میں فانی نے دیکھا ہے قفس کا در کھلا

رابطۂ جسم و جان دیکھیے کب تک رہے
زیست کا ہم پر گماں دیکھیے کب تک رہے
میری گراں جانیاں تجھ سے جدا ہوں نہ ہوں
سعیٔ الم رائیگاں دیکھیے کب تک رہے
دیکھیے کب تک مٹے سینۂ فانیؔ کا داغ
تربتِ دل کا نشاں دیکھیے کب تک رہے

مانا کہ بات وعدۂ فردا پہ ٹل گئی
اے بیوفا جو کل بھی نہ یہ آج کل گئی
اس خانۂ خراب کی بربادیاں نہ پوچھ
یادش بخیر آہ بھی دل سے نکل گئی!
تم کیوں گئے تھے آئینہ خانہ میں بے حجاب
اچھا ہوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی
کچھ کہہ کے چارہ ساز نے تسکین دی تو ہے
سنتا تو ہوں کہ اب مری حالت سنبھل گئی
آتی ہے خاکِ جادۂ ہستی سے بوئے دل
کس آرزو بھرے کی تمنا کچل گئی
دل کیوں شبِ فراق تڑپ کر ٹھہر گیا
کیوں اضطراب کیا تری صورت بدل گئی
تعمیرِ آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق
جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی
اللہ رے نوکِ نشترِ غم کی لگاوٹیں
اک اک لہو کی بوند پہ ظالم مچل گئی
فانیؔ کے دل سے آیۂ لاتقنطو کے بعد
زاہد وہ دل فریبیٔ حسنِ عمل گئی

ہر تصور جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہے
خاکِ دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے

بھر کے ساقی ایک جامِ مے زہر آلود لا
یعنی خاکم در دہن آج آتشِ دل تیز ہے

ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہیں
عالم اک مجموعۂ ذراتِ صحرا بیز ہے

تھی شکستِ دل مگر تا حدِ آغازِ شکست
ٹوٹ کر بھی دل طلسمِ شوق یاس آمیز ہے

ہے فنا آبادِ غم اک معنیٔ لفظ آفریں
صحت آباد جہاں اک لفظ معنی خیز ہے

شاید آ پہنچی ہے غم کی آخری منزل قریب
زخمِ ہستی کو جو اب ہر سانس اک مہمیز ہے

جلوہ کیا دیکھے کوئی قدرت نہیں فرصت کہاں
یاں نقابِ جلوہ خود حسنِ تماشا ریز ہے

گو نہیں جز ترکِ حسرت قیدِ ہستی کا علاج
آہ وہ بیمار جو آزردۂ پرہیز ہے

مائیہ اور اک ہستی ہوں تکلف برطرف
زندگی میری دروغِ مصلحت آمیز ہے

مرگِ فانی کو ہے یاس آہ اب کیا انتظار
دیر سے پیمانۂ عمرِ وفا لبریز ہے

گردش وہی یہاں بھی سپہرِ کہن میں تھی
غربت میں بھی وہی ہے جو قسمت وطن میں تھی
آزردہ کیوں ہوئے مری آشفتگی سے تم
آخر یہی تو زلف شکن در شکن میں تھی
اس کے سوا نہیں خبرِ آشیاں مجھے
میں تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن میں تھی

کارواں گذرا کیا ہم رہگذر دیکھا کیے — ہر قدم پر نقشِ پائے راہبر دیکھا کیے
ترک بیداد آہ اک تمہید تھی بیداد کی — دل جلا کر میرے نالوں کا اثر دیکھا کیے
دردمندانِ وفا کی ہائے رے مجبوریاں — دردِ دل دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کیے
یاس جب چھائی امیدیں ہاتھ مل کر رہ گئیں — دل کی نبضیں چھٹ گئیں اور چارہ گر دیکھا کیے
رخ مری جانب نگاہِ لطف دشمن کی طرف — یوں ادھر دیکھا کیے گویا ادھر دیکھا کیے
تو کہاں تھی اے اجل اے نامرادوں کی مراد — مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کیے

زیست تھی فانی بقدرِ فرصتِ تمہیدِ شوق
عمر بھر ہم پرتوِ نورِ بشر دیکھا کیے

کمالِ ہوش ہے یوں بے نیازِ ہوش ہو جانا
ترے آغوش میں بیگانۂ آغوش ہو جانا

ہمیں تیری محبت میں فقط دو کام آتے ہیں
جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا

وہی برقِ تجلی کار فرما اب بھی ہے لیکن
نگاہوں کو میسر ہی نہیں بے ہوش ہو جانا

فریبِ وعدہ خدا ناکردہ وہ آئیں نہ موت آئے
تو پھر اے زندگی تو موت کا آغوش ہو جانا

خدا رکھے شرارِ عشق کو وہ شمعِ سوزاں ہوں
جلے جانا جسے ممکن ہے یا خاموش ہو جانا

بہار اپنی چمن اپنا قفس کی تیلیوں تک ہے
مبارک نکہتِ گُل کو چمن بردوش ہو جانا

خدا دشمن کو بھی یہ خوابِ محرومی نہ دکھلائے
اُدھر ایمائے پُرسش اور اِدھر خاموش ہو جانا

قیامت ہے یہ ٹکڑا داستانِ عشق کا یعنی!
مرے راحت طلب دِل کا اذیت کوش ہو جانا

مرقع ہے کسی کی ہستیٔ موہوم کا فانیؔ
وہ اُن کو دیکھتے ہی دیکھتے روپوش ہو جانا

ادھر سے آڑ میں خنجر کے منہ چھپائے ہوئے
مری قضا کو وہ لائے دلہن بنائے ہوئے

الٰہی کیوں نہیں ہوتی کوئی بلا نازل !
اثر سے دیر سے دستِ دعا اٹھائے ہوئے

تری لگائی ہوئی کہ حشر تک نہ بجھی !
ہوئے نہ مر کے بھی ٹھنڈے ترے جلائے ہوئے

بلائے جاں ہے مگر پھر بھی آرزو ہے تری
ہم اس کو اپنے کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے

سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے
چراغ ہیں مری تربت کے جھلملائے ہوئے

تمہیں کہو تمہیں اپنا سمجھ کے کیا پایا
مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے

کسی کا ہائے وہ مقتل میں اس طرح آنا
نظر بچائے ہوئے آستیں چڑھائے ہوئے

اجل کو مژدۂ فرصت کہ آج فانیؔ زار
امید وصل سے بیٹھا ہے لو لگائے ہوئے

●

سایہ بھی جس پہ میرے نشیمن کا پڑ گیا
کیوں آسماں وہ باغ ہی سارا اجڑ گیا

تو نے سب اپنے کام بگڑ کر بنا لئے
میری وفا وہ کام جو بن کر بگڑ گیا

دِل کی مفارقت کو کہاں تک نہ روئیے
اللہ ایک عمر کا ساتھی بچھڑ گیا

صیاد یوں پروں میں گرہ باندھتے ہیں کیا
بیدرد بند بند کسی کا جکڑ گیا

ہوتا ہے آج فیصلہ اُمید و یاس کا
مِٹتا ہے اب وہ دِل جو بسا اور اُجڑ گیا

بنتی نہیں صبر کو رخصت کئے بغیر
کام اُن کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا

بدلا ہوا ہے آج مرے آنسوؤں کا رنگ
کیا دِل کے زخم کا کوئی ٹانکا ادھڑ گیا

اللہ رے جوشِ بادۂ بہاری ترا اثر
پیمانہ لڑکھڑا کے صراحی سے لڑ گیا

وعدے کی رات گردشِ افلاک رک گئی
جب تم سے بن گئی تو زمانہ بگڑ گیا

اِک حشر اور چاہیئے اس رو سیاہ کو
فانیؔ زمین حشر میں غیرت سے گڑ گیا

بوئے خزاں سے مست ہیں یاد نہیں بہار کیا
ہم تو چمن پرست ہیں پھول کہاں کے خار کیا

دل ہے تری نگاہ تک جان ہے ایک آہ تک
حوصلۂ اُمید کیا ظرف اُمیدوار کیا

محوِ فروغِ ذات ہوں عجزِ صفات ہے محل
کوئی ہو شمعِ بزم کیا شمعِ سرِ مزار کیا

ہوش سے احتراز کر فاش نہ غم کا راز کر
دغدغۂ حساب کیوں شکوۂ روزگار کیا

حد سے سوا جفا سہی مجھ پہ ہے غیر پر نہیں
جوشش سیلِ گریہ کون ضبط کو ناگوار کیا

جو غم بے اثر نہ ہو جو شب بے سحر نہ ہو
وہ غمِ انتظار کب وہ شبِ انتظار کیا

اپنے کمالِ شوق پر حشر کا دن ہے منحصر
وعدۂ دید چاہیئے زحمتِ انتظار کیا

کھیل تھا سب اُمید کا یہ تو ہی تو کچھ نہ تھا
آرزوؤں کی کیا بساط شوق کا کاروبار کیا

فانیؔ اب اپنی زندگی حسنِ عتاب یار ہے
دیکھیے مرگِ ناگہاں لائے پیامِ یار کیا

●

مآلِ سوزِ غمہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اُٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

چلے بھی آؤ وہ ہے قبرِ فانی دیکھتے جاؤ
تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ

ابھی کیا ہے کسی دن خوں رلائیگی یہ خاموشی
زبانِ حال کی جادو بیانی دیکھتے جاؤ

غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہے دنیا سے
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ

اُدھر منہ پھیر کر کیا ذبح کرتے ہو اِدھر دیکھو
مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

بہارِ زندگی کا لطف دیکھا اور دیکھو گے
کسی کا عیشِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

سُنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

وہ اُٹھا شورِ ماتم آخری دیدار میت پر
اب اُٹھا چاہتی ہے نعشِ فانی دیکھتے جاؤ

جلوہ گاہِ نازِ جاناں جب مرا دل ہو گیا
سامنا فانیؔ مجھے دِل کا بھی مشکل ہو گیا

مژدۂ تسکین سے بے تابی کے قابل ہو گیا
دِل پہ جب تیری نگاہیں جم گئیں دل ہو گیا

کر کے دِل کا خون کیا بیتابیاں کم ہو گئیں
جو لہو آنکھوں سے دامن پر گرا دل ہو گیا

سُن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا

جلوہ لے چل کر ہزاروں طور پیدا کر دیئے
ذرّہ ذرّہ میرے دِل کی خاک کا دِل ہو گیا

موت آنے تک تو آئے اب جو آئے ہو تو ہائے
زندگی مشکل ہی تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا

دردِ فرقت کی خلش وابستۂ انفاس تھی
مدعائے زندگی مر کے حاصل ہو گیا

دِل سراپا درد تھا اور ابتدائے عشق تھی
انتہا یہ ہے کہ فانیؔ درد اب دِل ہو گیا

نصیب ہو بھی تو کیا لطف وصل یار میں ہے
سوائے عیش سو تقدیر انتظار میں ہے

فلک نے یوں تو جو چاہا کیا ستم تو یہ ہے
شمار دل بھی ستم ہائے بے شمار میں ہے

قضا پہ اب ہے مری زندگی کا دارومدار
سو وہ بھی اُن کی اداؤں کے اختیار میں ہے

عزیز خاطر فطرت ہے جان عبرت ہے
ہر ایک ذرّہ جو اس عالم غبار میں ہے

سرشت برق سر خیر ہو خدا نہ کرے
وہ اضطراب کہ جان اُمیدوار میں ہے

گناہ گار کی حالت ہے رحم کے قابل
غریب کشمکش جبر و اختیار میں ہے

حریف سوز نہاں تو نہیں مگر پھر بھی
بلا کی آگ اس آہ شرارہ بار میں ہے

ہماری لاش مرقع ہے بے قراری کا
اک اضطراب کی صورت بھی اس قرار میں ہے

چمن سے رخصت فانیؔ قریب ہے شاید
کچھ اب کے بوئے کفن دامن بہار میں ہے

٭

ان کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا
اک جوش تھا کہ محوِ تماشائے جوش تھا

برپا تھا دل کی لاش پہ اک محشرِ سکوت
تیرے شہیدِ ناز کا ماتم خموش تھا

اُمیدِ عفو ہے ترے انصاف سے مجھے
شاہد ہے خود گناہ کہ تُو پردہ پوش تھا

فردائے حشر حسر سے آنکھوں کا تھا قصور
ہر رُخ مری نگاہ کا تصویرِ دوش تھا

ہر مژدۂ نگاہ غلط جلوہ خود فریب
عالم دلیلِ گمرہیِ چشم و گوش تھا

وحشت بعید چاک گریباں بجا نہیں
دیوانہ تھا جو معتقدِ اہلِ ہوش تھا

پی آمدہ پی ازل میں کہ اُترے نہ حشر تک
یا دشمنِ تحیرِ دل بھی عجیب بادہ نوش تھا

محرومیاں ذریعۂ الہام ذکر تھیں
نالوں پہ انحصارِ پیامِ سروش تھا

فانی تنگ بضاعتیِ غم کا کیا علاج
ہر قطرہ خونِ دل کا تمنا فروش تھا

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا

جلوہ محسوس سہی آنکھ کو آزاد تو کر
قید آداب تماشا بھی تو محفل سے اٹھا

پھر تو مضراب جنوں ساز انا لیلےٰ چھیڑ
ہائے وہ شور انا القیس کہ محمل سے اٹھا

اختیار ایک ادا تھی مری مجبوری کی
لطف سعی عمل اس مطلب حاصل سے اٹھا

عمر امید کے دو دن بھی گراں تھے ظالم
بار فردا نہ ترے وعدۂ باطل سے اٹھا

خبر قافلہ گم شدہ کس سے پوچھوں
اک بگولہ بھی نہ خاک رہ منزل سے اٹھا

ہوش جب تک ہے گلا گھونٹ کے مر جانے کا
دم شمشیر کا احسان ترے بسمل سے اٹھا

موت ہستی پہ وہ تہمت تھی کہ آساں نہ اٹھی
زندگی مجھ پہ وہ الزام کہ مشکل سے اٹھا

کس کی کشتی تہہ گرداب فنا جا پہنچی
شور لبیک جو فانیؔ لب ساحل سے اٹھا

•

کم ہے یا بڑھ گئی وحشت ترے دیوانوں کی
دامنوں کی ہے خبر اب نہ گریبانوں کی

فصلِ گل خیر تو ہے دشت میں دیوانوں کی
دامنوں کی خبر آئی نہ گریبانوں کی

دل کے تیور تو بجھے یاس کے چھینٹوں سے مگر
نہ بجھی آگ لگائی ہوئی ارمانوں کی

حُسن مجبورِ تغافل ہے ادب شرطِ وفا
رہ گئی شرم غمِ عشق کے انسانوں کی

چشمِ ساقی کی وہ مخمور نگاہی توبہ
آنکھ پڑتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

طوقِ منّت کے بڑھا ہو گئی منت پُوری
بیڑیاں موت نے کاٹیں ترے دیوانوں کی

اب جفا ہے نہ وفا یادِ وفا باقی ہے
تھی جہاں شمع وہاں خاک ہے پروانوں کی

دِل میں رگ رگ سے کھنچ آئی ہیں لہو کی بُوندیں
دھومیں سینۂ فانی میں ہیں پیکانوں کی

•

ذرّہ ذرّہ تربتِ فانیؔ کا فیضون جوش ہے
اِس صفِ ماتم میں اِک شمعِ لحد خاموش ہے

پھیر لے میّت کی جانب سے نگاہِ التفات
سینکڑوں شکوؤں کے نزع میں لبِ خاموش ہے

وصل ہو یا ہجر دونوں ہیں مرے مشرب میں کفر
شوقِ وحدت آشنا بیگانۂ آغوش ہے

طُور تو ہے ربِّ ارنی کہنے والا چاہیئے
لن ترانی ہے مگر نا آشنائے گوش ہے

اِک طلسمِ فیض ہے یہ سینہ سوزِ دل کی خیر
بے تکلّف ہر نفس اِک شعلۂ خس پوش ہے

سازِ آزادی فقط تیرے اسیروں پر کھُلا
جو ترے قدموں پہ سر ہے بے نیازِ دوش ہے

زندگی خود کیا ہے فانیؔ یہ تو کیا کہیئے مگر
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہے

میں ندامت جان کر خوش ہوں منظر دیکھنا
وہ مجھے تڑپا کے نکلا پھر نہ مڑ کر دیکھنا

دیدنی ہے رنگ بسمل ڈوب کر چھپنے کے بعد
تم ابھی کیا دیکھتے ہو تھم کے خنجر دیکھنا

ذکرِ خورشیدِ قیامت حسن کے [illegible] کیا کہوں
خیر اس تر دامنی کو رہ نہ محشر دیکھنا

ماسوائے دل میں اک ہنگامہ برپا کر گیا
چشم کافر کا وہ دل لے کر مکرنا دیکھنا

سانس کے جو آخری جھٹکوں میں ٹکڑے ہو گئیں
ہائے اُن ناشاد آہوں کا مقدر دیکھنا

میرے دل کو چین آجانے کی ضامن ہو سکے
تم کسی دن نبضِ دل پہ ہاتھ رکھ کر دیکھنا

مژدہ فصلِ گل کا لائے تو سہی بادِ بہار
ہر کڑی زنجیر کی زنداں سے باہر دیکھنا

جب ذرا پردے سے جھانکا بجلیاں گرنے لگیں
ہے یہ کوئی دیکھنے میں بندہ پرور دیکھنا

تشنہ لب بھی تھا میں ساقی جان سے بیزار بھی
ساغر اور پھر زہر سے لبریز ساغر دیکھنا

صبح تک فانی ہر آواز شکستِ دل کے ساتھ
کیا قیامت تھا وہ تیرا جانبِ در دیکھنا

مانا حجاب دید مری بے خودی ہوئی
تم وجہ بے خودی نہیں یہ ایک ہی ہوئی

دِل ہے وہ طاق غم کدۂ عمر دوش کا
رکھی ہے جس پہ شمع تمنا بجھی ہوئی

میں منزلِ فنا کا نشانِ شکستہ ہوں
تصویر گرد باد وفا ہوں مٹی ہوئی

تعمیرِ دِل نے تجھ سے لیا انتقامِ عشق
تیری ہی بزم جلوہ گہ عاشقی ہوئی

آتی رہے گی خیر اب اس زندگی کو موت
یہ تو ہوا کہ موت مری زندگی ہوئی

مرحوم کس ادا کی تماشائیوں میں تھا
پھرتی ہے دِل کی لاش تماشا بنی ہوئی

دُنیائے دِل میں یاس کی اللہ رے دارو گیر
جو آرزو کہ خلق ہوئی کشتنی ہوئی

کیجے دُعا کہ اُف تو کرے دردمند عشق
اوّل تو دِل کی چوٹ پھر اتنی دکھی ہوئی

میرا وجود کفر مری زندگی گناہ
ہستی کو ہوش ہوش کو لازم خودی ہوئی

یارب نوائے دل سے تو کان آشنا سے ہیں
آواز آرہی ہے یہ کب کی سنی ہوئی

لازم ہے احتیاط ندامت نہیں ضرور
لے اب چھری تو پھینک لہو سے بھری ہوئی

فانی وہ میں ہوں نقطۂ موہوم اتصال
جس میں عدم کی دونوں حدیں ہوں ملی ہوئی

●

امیدِ التفات کو رسوا نہ کیجئے
لازم نہیں کہ خونِ تمنا نہ کیجئے

شرمندہ وہم رشک سے اتنا نہ کیجئے
آئینہ دیکھ کر مجھے دیکھا نہ کیجئے

اندیشۂ عیش خوابِ لحد کا نہ کیجئے
ہنگامِ نزع وعدۂ فردا نہ کیجئے

دیکھو جو وقت پرسشِ جاناں نہ بھول جائیں
ٹھانی تو ہے کہ عرضِ تمنا نہ کیجئے

سرکار پاسِ وضعِ جفا چاہتا ہوں میں
یہ بھی اگر وفا ہے تو اچھا نہ کیجئے

کیا فرض تھی نگاہِ مکرر ازل کے بعد
یہ جان ہے یہ دل ہے تقاضا نہ کیجئے

فانی بلائے مرگ سے غم کیجئے غلط
اب جستجوئے راحتِ دنیا نہ کیجئے

•

محشر میں عذرِ قتل بھی ہے خوں بہا بھی ہے
وہ اک نگاہ جس میں گِلہ بھی حیا بھی ہے
اس درد کا علاج اجل کے سوا بھی ہے
کیوں چارہ ساز تجھ کو اُمیدِ شفا بھی ہے
جب عشق مبتدا ہی نہیں انتہا بھی ہے
دِل میری زندگی ہی نہیں ہے قضا بھی ہے
اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اِک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے
اے حدِ ضبطِ درد نہ کر دِل سے اب دریغ
اِک آہ بے صدا کہ دُعا بھی دوا بھی ہے
سامانِ صد نگاہ ہے ہر ذرّہ خاک کا
لیکن یہ دیکھنا ہے کوئی دیکھتا بھی ہے
اس دِل میں درد بھی ہے زباں ہی نہیں ہے بند
کس سے کہیں کوئی دِلِ درد آشنا بھی ہے
دِل مُورِدِ حکمِ ضبط ہے یارائے انحراف
پردے میں کوئی دشمنِ اہلِ وفا بھی ہے

فانیؔ سے دل کے ساتھ تقاضا ہے جان کا
ظالم اس ابتدا کی کوئی انتہا بھی ہے

●

جمال بے حجاب تھا کہ جلوہ تھا حجاب کا
کلیم برقِ طور تھی کہ تار تھا نقاب کا

بتائیے نہ حالِ دل نہ حال پوچھتا ہوں میں
مآل پوچھتا ہوں میں دلِ وفا خراب کا

تجلیات وہم ہیں مشاہدات آب و گِل
کرشمہ حیات ہے خیال وہ بھی خواب کا

دل اذیت آفریں رہینِ امتحاں نہیں
خدائے بے نیاز ہے جہانِ اضطراب کا

خطاب روزِ حشر کی صدائے بازگشت ہوں
جواب بے سوال ہوں سوال بے جواب کا

جہانِ بے سکون میں سکون ہی سکون تھا
میری نگاہ مضطرب ہے مدعا انقلاب کا

وہ صرف صد یقیں سہی حیات پھر حیات ہے
کہاں سے لاؤں اعتبار مرگِ کامیاب کا

کر نہ فریاد خموشی میں اثر پیدا کر
درد بن کر دلِ بیدرد میں گھر پیدا کر

مَیں دُعا موت کی مانگوں تو اثر پیدا کر
ورنہ یارب شبِ فرقت کی سحر پیدا کر

تہ میں جا سطح سے تو قطع نظر کر کے دیکھ
قطرے قطرے میں سمندر ہے نظر پیدا کر

جتنے غم چاہے دیئے جا مجھے یارب لیکن
ہر نئے غم کیلئے تازہ جگر پیدا کر

یا اسے کر کسی بجلی کے حوالے یارب
یا مرے نخلِ تمنا میں ثمر پیدا کر

دلِ مایوس کو اے عہدِ کرم شاد نہ کر
نازپروردۂ غم ہے اسے برباد نہ کر

اے تقاضائے خرد مجھ پہ یہ بیداد نہ کر
مَیں ہوں دُنیائے محبت مجھے برباد نہ کر

رُوح اربابِ محبت کی لرز جاتی ہے
تو پشیمان نہ ہو اپنی جفا یاد نہ کر

غم ہستی ہی سہی تیرے سوا کوئی ہو
دِل کہ بستی ہے تری غیر سے آباد نہ کر

خامشی عینِ فغاں ہونے نہ پائے اے دِل
اَور جو فریاد ہی کرنا ہے تو فریاد نہ کر

صبر شایانِ محبت تو نہیں ہے لیکن
شکر اگر بن نہ پڑے شکوۂ بیداد نہ کر

دِل کی حد سے اثرِ زیست نہ گزرے فانی
ہوش لازم ہے مگر ہوش کو آزاد نہ کر

محتاج اجل کیوں ہے خود اپنی قضا ہو جا
غیرت ہو تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا
اے شوق طلب بڑھ کر مجنوں ادا ہو جا
اے ہمّت مردانہ راضی بہ رضا ہو جا
آغوش فنا میں ہم پروردۂ آفت ہیں
اے فتنۂ دوراں اٹھ اے حشر بپا ہو جا
ضد کے بعد یہ ضد اے دِل اچھا تو خدا حافظ
قربان ہی اُس بُت پر ہوتا ہے تو جا ہو جا
اُس جانِ تمنّا سے بے پردہ نہ شکوہ کر
وہ تجھ سے خفا ہے تو جینے سے خفا ہو جا
ہر قافلۂ دِل کو تُو مژدۂ منزل دے
ہر رہگذرِ غم میں نقشِ کفِ پا ہو جا
یا درد محبّت بھی کیا شے ہے معاذ اللہ
میں درد محبّت سے کہتا ہوں سوا ہو جا
ظالم کا نہ شکوہ کر ظلموں کی نہ پروا کر
تو اپنی وفاؤں کی عزت پہ فدا ہو جا
اس ہستیٔ فانی سے کر قطع نظر فانی
تو دوست کا طالب ہے دشمن سے جدا ہو جا

نا مرادِ دِل غمِ دُنیا کیا
ایک مٹایا داغ اِک پیدا کیا

رُونمائے جوشِ حیرت تھی نگاہ
آئینہ مُنھ آپ کا دیکھا کیا

بجلیاں بھر دیں نگاہِ یار میں
تو نے آہِ آتشیں یہ کیا کیا

وسعتِ دِل تھی بقدرِ دادِ عشق
قطرہِ دریا تھا جسے دریا کیا

نالہ کیا ہاں اک دُھواں سا شام سحر
بِسترِ بیمار سے اُٹھا کیا

سخت نازک تھا مزاجِ دردِ عشق
دِل فدائے حُسن بے پروا کیا

زیست تھی بے کار فانیؔ دِل کے بعد
جان بھی قربان کی اچھا کیا

کون اُٹھائے مری وفا کے ناز — دل ستم دوست وہ رقیب نواز
اب نئے سر سے چھیڑ پردۂ ساز — بس یہی تھا ایک دُکھ بھری آواز
کھل گیا میری زندگی کا راز — اے شبِ ہجر تیری عمر دراز
صور و منصور و طور اے توبہ — ایک ہے تیری بات کا انداز
دیکھئے کیا ہو عشق کا انجام — دِل کی ہستی ہے موت کا آغاز
رہ گئی تھی جو بازوؤں میں سکت — ہو گئی صرفِ ہمتِ پرواز

آج روزِ وصال فانی ہے
موت سے ہو رہے ہیں راز و نیاز

زندگی کا ہے امتحاں انجام — حشر لے آہ الاماں انجام
تیرے گھر کی زمیں اے توبہ — ذرہ ذرہ ہے آسماں انجام
حُسن ہے جاوداں بے آغاز — عشق آغاز جاوداں انجام
طبعِ نازک پہ بار اک اک حرف — حالِ دل حرفِ داستاں انجام
اور جو مل جائے دِل سو دل یارب — ایک دل کا ہے دو جہاں انجام
کم نہ تھی عمر اک نظر کیلئے — عشق تھا مرگِ ناگہاں انجام

پوچھتے ہو نشان فانی کا
وہ ہے اک قبرِ بےنشاں انجام

حشر میں حشر چاہیے حشر پہ حشر چاہیے
دفن ہیں سجدہ ہائے شوق ناصیۂ نیاز میں

چشم براہ یار ہوں منتظر رفتار ہوں
سبزۂ رہگذار ہوں عالم عرضِ ناز میں

چارۂ تپ فراق کا غمکدہ میں تو کچھ نہیں
بوئے مزاج یار ہے نبض بہانہ باز میں

عالمِ درد کا نظام آ کے ذرا الٹ نہ دو
عشق سے فرق آگیا حسن کے امتیاز میں

زہر ہے یا دوائے دل وہ ہیں کہ موت ہے تری
رعشہ مری نظر میں ہے یا کفِ چارہ ساز میں

فانی زار کا ہوا خیر سے خاتمہ بخیر
عمر تمام ہوگئی عشق کے سوز و ساز میں

پھر خواب میں طوق آیا نہ زنجیر نظر آئی
در پردہ وہ ہے وحشت کی پھر سلسلہ جنبانی

مانا کہ غمِ جاناں غارت گہِ ساماں ہے
رکھا ہی یہاں کیا ہے جز بے سر و سامانی

مشکل مرے مرنے کی مشکل ہے کہ آساں ہے
کچھ نازکیٔ قاتل کچھ اپنی گراں جانی

فانی وہ بلاکش ہوں غم بھی مجھے راحت ہے
میں نے غمِ راحت کی صورت بھی نہ پہچانی

●

متاعِ جلوہ تحیر ہے مجھ کو سکتا ہے
دلِ آئینہ ہے کہ مُنہ آئینہ کا تکتا ہے

حجابِ زعمِ تماشا اُٹھا تو کچھ دیکھوں
رہی نگاہ یہ پردہ تو اُٹھ بھی سکتا ہے

وہ دلمیں ہوک سی اُٹھی وہ مجھکو ہوش آیا
وہ درد جسکی دوا تو ہے پھر چمکتا ہے

اُمید و وہم پہ ہستیٔ بشر موقوف
کہ جا کے دم پلٹ آتا ہے دل دھڑکتا ہے

خفا نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ تیری جان سے دور
جو تیرے ہجر میں جیتا ہے مر بھی سکتا ہے

اجل بس ایک ہی کانٹا نکال کر چل دے
ٹھہر کہ خارِ تمنا ابھی کھٹکتا ہے

حدودِ غم سے غمِ عشق بڑھ چلا فانیؔ
وہ جامِ عمر کہ لبریز تھا چھلکتا ہے!

کچھ کم تو ہُوا رنجِ فراوانِ تمنّا
آغازِ جنوں گو نہیں پایانِ تمنّا

پھر یاس نے رکھا ہے قدم خانۂ دل میں
یعنی ہے اب اللہ نگہبانِ تمنّا

گو چاک ہُوا دِل مگر ارمان نہ نکلے
بے فائدہ کھولا درِ زندانِ تمنّا

افسانہ مرا خواب زلیخائے محبّت
جلوہ ہے ترا یوسفِ کنعانِ تمنّا

جز وعدۂ باطل نہیں بنیاد کچھ اِسکی
دِل کانپ اُٹھا دیکھ کے ایوانِ تمنّا

اِک جان ہے وہ خیر سے وارفتۂ غم ہے
اک دِل ہے سو ہے سوختہ سامانِ تمنّا

فانی کا دم اک دِن ترے قدموں پہ نکل جائے
دِل کی یہ تمنا ہے اب اے جانِ تمنّا

مشتاق نگاہوں کی اللہ رے رسوائی
میں محوِ تماشا ہوں دنیا ہے تماشائی
تیری ہی نگاہوں کے سب دیکھنے والے تھے
تقدیر بگڑ بیٹھی تدبیر نہ کام آئی
بیداد کے اس تیور اس حسن کے میں صدقے
اُن کو مرے مرنے پر آئی تو ہنسی آئی
لبریز تموج تھا اک اک خطِ پیمانہ
محفل سے جو وہ اُٹھے لیتے ہوئے انگڑائی
پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا
جب ذکرِ بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

ہے شانِ عبودیت مصروفِ دعا ہونا
منظورِ مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا
بنیادِ جہاں کی ہے مجبورِ فنا ہونا
سرمایۂ ہستی ہے محرومِ بقا ہونا

قطعات

یاس ہے اور خاطرِ بیتاب　　آرزو ہے نہ کوئی حسرت ہے
عمرِ جاوید اب عزیز نہیں　　جانِ فانی کو عزمِ رحلت ہے

●

اب وہ راتیں کہاں شباب کہاں　　ہو گئی صبح وقتِ شام کہاں
یاس ہے اب نہ آرزو فانی　　دل ہو بیتاب اب یہ تاب کہاں

●

دم لینے کا توقف ملنا ہی چاہیئے تھا
دن رات بحرِ غم میں کیا غرق چاہیئے تھا
فانی کی زندگی بھی کیا زندگی تھی یا رب
موت اور زندگی میں کچھ فرق چاہیئے تھا

•

کہتا ہے غمِ یار میں ہوں جانِ تمنّا
دُنیا ہے مری عالمِ امکانِ تمنّا

مضمون تو مکتوبِ ازل کا نہیں معلوم
لکھا ہے مرے خون سے عنوانِ تمنّا

آہستہ گزر صرصرِ غم وادیٔ دل میں
برباد نہ کر خاکِ شہیدانِ تمنّا

جز داغ نہیں کوئی چراغ سرِ تربت
سینہ ہے مرا گورِ غریبانِ تمنّا

ہے یاد تری رونقِ خلوت گہِ خاطر
ہے ذکر ترا شمعِ شبستانِ تمنّا

نالے ہیں نہ آہیں نہ خلش ہے نہ تپش ہے
باقی نہ رہا کوئی زباں دانِ تمنّا

کیفیت ناکامیٔ دل کیا کہوں فانی
دل ٹوٹ گیا توڑ کے پیمانِ تمنّا

ˇ

گو ہستی تھی خوابِ پریشاں نیند کچھ ایسی گہری تھی
چونک اُٹھے تھے ہم گھبرا کر پھر بھی آنکھ نہ کھلتی تھی

ہے جو اس کانِ ملاحت سے طلبگار نمک
زخمِ دل شاید تبسم آفریں ہونے کو ہے
اللہ اللہ سرخیِ رنگِ شفق کیوں اے جنوں
آسماں کیا کوئے قاتل کی زمیں ہونے کو ہے

مجھ کو مرے نصیب نے روزِ ازل نہ کیا دیا — دولتِ دو جہاں نہ دی اک دلِ مبتلا دیا
دل ہی نگاہِ ناز کا ایک اداشناس تھا — جلوۂ برقِ طور نے طور کو کیوں جلا دیا
قبر میں جب کسی طرح دل کی تڑپ نہ کم ہوئی — یادِ خرامِ ناز نے حشر کا آسرا دیا
روزِ جزا گلہ تو کیا شکرِ ستم ہی بن پڑا — ہائے کہ دل کے درد نے درد کو دل بنا دیا
اب مری لاش پر حضور مجھ کو کوستے تو ہیں — آپ کو یہ بھی ہوش ہے کس نے کسے مٹا دیا
دل میں سما کے پھر گئی آس بندھا کے پھر گئی — آج نگاہِ دوست نے کعبہ بنا کے ڈھا دیا
اُف کہ گناہگار ہم تو ہیں مگر خطا معاف — آٹھ پہر کے درد نے دل ہی تو پھر دکھا دیا
آپ ہم اپنی آگ میں اے غمِ عشق جل بجھے — آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا بجھا دیا
یوں نہ کٹی کسی طرح جب مری زندگی کی رات — چھیڑ کے داستانِ غم دل نے مجھے سلا دیا
گریۂ آتشیں کی داد دے شبِ غم تو کون دے — خود سرِ شام گیا بجھی شمع نے دل بجھا دیا

یاس نے درد ہی نہیں حق تو یہ ہے دوا بھی دی
فانیؔ نا امید کو موت کا آسرا دیا

جلوہ عشق حقیقت تھی حسن مجاز بہانہ تھا
شمع جسے ہم سمجھتے تھے شمع نہ تھی پروانہ تھا

شعبدے آنکھوں کے ہم نے ایسے کتنے دیکھے ہیں
آنکھ کھلی تو دنیا تھی بند ہوئی تو افسانہ تھا

عہدِ جوانی ختم ہوا اب مرتے ہیں نہ جیتے ہیں
ہم بھی جیتے تھے جب تک مر جانے کا زمانہ تھا

دل اب دل ہے خدا رکھے ساقی کو میخانہ
ورنہ کسے معلوم نہیں ٹوٹا سا پیمانہ تھا

فانی گو کیسا ہی سہی پھر بھی تجھی سے نسبت تھی
دیوانہ تھا۔ تھا کس کا تیرا ہی دیوانہ تھا

مجھے مرنے کی حسرت کارِ مشکل کی تمنّا ہے
مرادم بھی کسی ناکام کے دِل کی تمنّا ہے

اجل سے ہے دلِ مایوس کو اُمیدِ آسائش
مری ڈوبی ہوئی کشتی کو ساحل کی تمنّا ہے

یادِ ایامِ عیش برنائی ! ہم ہیں اب اور کنجِ تنہائی
نہ رہی آرزوئے صبر شکن اب نہیں حسرتِ شکیبائی
سیرِ نظارۂ جمال نہیں اپنے ہم آپ ہیں تماشائی
بھول بیٹھے ہم اِک زمانہ ہُوا محفل آرائی و خود آرائی
دِل کہ تھا آشنائے ذوقِ نظر ہم کہ تھے وصل کے تمنّائی
ہم وہی دِل وہی سہی لیکن نہ وہ سودا نہ ہم وہ سودائی
اَب نہ وہ آہِ دم بدم کا ہجوم اب نہ وہ غم کی کارفرمائی
فرصتِ شوق ہے نہ رخصتِ ہوش کوچہ گردی نہ دشت پیمائی
لحنِ بُلبُل جگر خراش ہے اب نہیں بھاتی گُلوں کی رعنائی
دِل ہی مرجھا گیا نہ ہو اپنا کہ چمن میں تو ہے بہار آئی
کیجئے اب وداعِ سیرِ چمن خار ہے وہ کلی جو مُرجھائی
آ اَب اے مرگِ ناگہانی آ سخت مُضطر ہیں تیرے شیدائی
چارۂ دردِ زندگی تو ہے کہ اگر ہو سکے مسیحائی

فانیؔ تلخ کام کی اُمید
تو اگر آ گئی تو بر آئی

●

آ کے تماشا گاہ جہاں میں واد تماشا کیا چاہوں
یاں ہر ذرّہ کہتا ہے میں ذرّہ نہیں اک دُنیا ہوں
محوِ تماشا ہوں میں یارب مدہوش تماشا ہوں
اُس نے کب کا پھیر لیا مُنھ اب کس کا مُنھ تکتا ہوں

●

شب گریۂ غم کے طوفاں کا وہ جوش وہ جوشش توبہ
ہر اشک اُمڈ کر کہتا تھا میں دل کے لہو کا دریا ہوں

●

سازِ ہستی کو بس اب قسم کے اشارے سے نہ چھیڑ
اس میں ٹوٹے ہوئے دِل کی نہ ہو آواز کہیں

●

غم کے ہو کے کچھ ہوں بلا سے آ کے جگا تو جاتے ہیں
ہم ہیں مگر وہ نیند کے ماتے جاگتے ہی سو جاتے ہیں

●

کہتے ہیں میاں حضرت فانیؔ تو نہیں ہیں
اس انجمنِ ناز میں کیا ہم بھی کہیں ہیں

ابتدائے عشق ہے لطف شباب آنے کو ہے
صبر رخصت ہو رہا ہے اضطراب آنے کو ہے

قبر پر کس شان سے وہ بے نقاب آنے کو ہے
آفتاب صبح محشر ہمرکاب آنے کو ہے

مجھ تک اس محفل میں پھر جام شراب آنے کو ہے
عمر رفتہ پلٹی آتی ہے شباب آنے کو ہے

ہائے کیسی کشمکش ہے یاس بھی ہے آس بھی
دم نکل جانے کو ہے خط کا جواب آنے کو ہے

نا امیدی موت سے کہتی ہے اپنا کام کر
آس کہتی ہے ٹھہر خط کا جواب آنے کو ہے

بھر کے ساقی جام دے اک اور لا اور جلد لا
ان نشیلی انکھڑیوں میں پھر حجاب آنے کو ہے

خانۂ تصویر میں آنے کو ہے تصویر یار
آئینہ میں قد آدم آفتاب آنے کو ہے

اب کے سوئے کیا اٹھیں گے فتنۂ محشر سے ہم
صبح محشر سے قریب آنکھوں میں خواب آنے کو ہے

دیکھئے موت آئے مجھ کو یا کوئی فتنہ اٹھے
میرے قابو میں دل بے صبر و تاب آنے کو ہے

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دُنیا اسی ویرانے کا

حُسن ہے ذات مری عشق صفت ہے میری
ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا

کعبہ کو دِل کی زیارت کو لئے جاتا ہوں
آستانہ ہے حرم میرے صنم خانے کا

مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دِل رکھتا ہوں
رازِ کونین خلاصہ ہے اس افسانے کا

زِندگی بھی تو پشیمان ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مرجانے کا

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے مرجھانے کا

اب اسے دار پہ لیجا کے سلا دے ساقی
یوں بہکنا نہیں اچھا ترے دیوانے کا

دِل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا

ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں
لئے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا

وحدتِ حسن کے جلووں کی یہ کثرت اے عشق
دِل کے ہر ذرے میں عالم ہے پری خانے کا

چشمِ ساقی اثرِ مے سے نہیں ہے گلرنگ
دِل مرے خون سے لبریز ہے پیمانے کا

لوحِ دِل کا غمِ الفت کو قلم کہتے ہیں
کن ہے اندازِ رقم حسن کے افسانے کا

ہمنے چھانی ہیں بہت دَیر و حرم کی گلیاں
کہیں پایا نہ ٹھکانہ ترے دیوانے کا

کس کی آنکھیں دمِ آخر مجھے یاد آتی ہیں
دِل مرقع ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا

کہتے ہیں کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانی
آپکی جان سے دور آپکے مرجانے کا

ہر نفس عمرِ گذشتہ کی ہے میت فانی
زِندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

ہوش ہی رہے نہ دوش کا فکرِ مآل رہ نہ جائے
خلوتِ یادِ یار میں کوئی خیال رہ نہ جائے

عشق ہے جیبِ جنوں تو پھر شاد ہو اے دلِ حزیں
کوئی نگہ اٹھا نہ رکھ کوئی سوال رہ نہ جائے

وعدۂ پُر فریب ہے تشنۂ معنیٔ تحقق ہے
ہاں رہِ انتظار میں گردِ ملال رہ نہ جائے

تابِ نظارۂ جلال حشر میں بخش کر مجھے
شانِ جمال بھی دکھا شانِ جمال رہ نہ جائے

عجز اِدھر اُدھر غرور دونوں غیور سے غیور
دامنِ مدعا سے دور دستِ سوال رہ نہ جائے

اب جو ہوا ہوا مآل چھوڑ خدا پہ انفعال
زخمِ جگر پہ خاک ڈال تیر سنبھال رہ نہ جائے

جبرِ قبولِ عام کر کارِ فغاں تمام کر
غیرتِ غم کو رام کر اُف کی مجال رہ نہ جائے

نزع میں عاہ آہ کے اب نہ حیا کو راہ دے
عہدِ کرم نباہ دے پرسشِ حال رہ نہ جائے

فانیٔ زار جانبری عشق میں مصلحت نہیں
جانِ وداعِ دل کے بعد ہو کے وبال رہ نہ جائے

•

ہر دل ہے تیرے غم کی امانت لئے ہوئے
محذے میں اک جہانِ حقیقت لئے ہوئے
دل اذنِ عام عشق کو تاراجِ ہوش کا
بیٹھا ہوں دلمیں صبر کی دولت لئے ہوئے
محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے
اس خاکدانِ تیرہ میں کیا ڈھونڈتا ہوں میں
پھرتا ہوں شمعِ داغ محبت لئے ہوئے
کافر ہوں گر یقیں نہ ہو کافر کی بات کا
وعدے میں اعتبار قیامت لئے ہوئے
روشن ہوئی وہ گورِ غریباں میں شمع طور
آغوش نور میں مری تربت لئے ہوئے

•

رگ رگ میں اب اندازِ بسمل نظر آتا ہے
ہر سانس کے پردے میں قاتل نظر آتا ہے

وہ وعدۂ آساں پر مائل نظر آتا ہے
اب کارِ تمنا پھر مشکل نظر آتا ہے

تو دشنہ و پہلو میں حائل نظر آتا ہے
جیتے ہیں کہ مرجانا مشکل نظر آتا ہے

ترکِ غمِ ساحل کا حاصل نظر آتا ہے
لے ڈوبنے والے وہ ساحل نظر آتا ہے

دل کھوئے ہوئے برسوں گزرے ہیں مگر اب بھی
آنسو نکل آتے ہیں جب دل نظر آتا ہے

آغازِ محبت میں جینے ہی کے لالے تھے
اب خیر سے مرنا بھی مشکل نظر آتا ہے

تو مستِ خود آرائی ہم حسن کے متوالے
جو ہے تری محفل میں غافل نظر آتا ہے

رودادِ محبت کی تصویر ہے ہر آنسو
ہر قطرۂ خونیں میں اک دل نظر آتا ہے

بیتابئِ دل بے حرفہ بے وجہ نہیں یعنی

دردِ دلِ محبت کے قابل نظر آتا ہے
موجوں کی سیاست سے مایوس نہ ہو فانی
گرداب کی ہر تہہ میں ساحل نظر آتا ہے

کچھ کھیل نہ تھا یوں بھی پروانے کا جل بجھنا
جل کر نہ بجھے ایسے پروانے کو کیا کہیے
آغاز بھی تو جس کا انجام بھی تو جس کا
اس دردِ محبت کے افسانے کو کیا کہیے
آبادی کی آبادی ویرانے کا ویرانہ
ارمان بکھرے دل کے کاشانے کو کیا کہیے
ڈوبی ہوئی آنکھوں میں رونق ترے دم سے تھی
ویران ہے ہر بستی ویرانے کو کیا کہیے
کس نے کسے دیکھا ہے اے حسرتِ نظارہ
فانی تو ہے دیوانہ دیوانے کو کیا کہیے

•

مدّت سے ہے دِل خانۂ ویرانِ تمنّا
اب کوئی تمنّا ہے نہ سامانِ تمنّا

سمجھو تو بہت فرق ہے اغیار میں مجھ میں
میں آپ پہ قربان وہ قربانِ تمنّا

پہلو بھی بدلنے نہیں پاتے مرے ارماں
اب ضبط سے دِل ہے ادبستانِ تمنّا

کیا چارہ گر اب بھی تجھے اُمیدِ شفا ہے
یہ زخم ہے یہ دِل ہے یہ پیکانِ تمنّا

آلودہ نہیں وہ خونِ تمنّا سے دامن
رنگیں ہے مرے خون سے دامانِ تمنّا

اللہ بچائے نظرِ یاس سے دِل کو
اُمید ہے پھر سلسلہ جنبانِ تمنّا

یہ سحر ہے فانیؔ کہ غمِ عشق ہے کیا ہے
دِل قطرۂ خوں جس میں یہ طوفانِ تمنّا

کرتے ہیں یہ گُل تیری ایک جنبشِ دامن نے
یوں کر نہ لئے پیدا وہ پھول بھی گلشن نے

بخشا جو شرف اُنکو اُڑتے ہوئے دامن نے
اُٹھ اُٹھ کے بلائیں لیں خاکِ سرِ مدفن نے

جو مجھ پہ ہوئی ایسی بیداد نہ کی ہوگی
اللہ کے بندوں نے اللہ کے دشمن نے

وہ قصۂ موسیٰ پھر اے سوزِ جگر کہنا
کس آگ کی چنگاری دی وادیٔ ایمن نے

یہ سوختہ سامانی کس کس کے نہ کام آئی
لی ایک نہ اک بجلی ہر دانۂ خرمن نے

کل تک یہی گلشن تھا صیاد بھی بجلی بھی
دنیا ہی بدل دی ہے تعمیرِ نشیمن نے

یہ رشکِ محبت کی روداد ہے اے فانی
اک دوست کے پردے میں مارا مجھے دشمن نے

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنواں نکلا — دم تو نکلا مگر آزردۂ احساں نکلا!

آ گئی ہے ترے بیمار کے منہ پر رونق — جان کیا جسم سے نکلی کوئی ارماں نکلا

دلِ آگاہ سے ہمیں کیا کیا امیدیں تھیں — وہ بھی قسمت سے چراغِ تہِ داماں نکلا

دل بھی تھا بس منہ سے اک آہ نکل جانے تک — آگ سینے میں لگا کر غمِ پنہاں نکلا

چارہ گر ناصحِ مشفق دلِ بے صبر و قرار — جو ملا عشق میں غمخوار وہ ناداں نکلا

شکوہ منظور نہیں تذکرۂ عشق نہ چھیڑ — کہ وہ در پردہ مرا حالِ پریشاں نکلا

بجلیاں شاخِ نشیمن پہ بچھی جاتی ہیں — کیا نشیمن سے کوئی سوختہ ساماں نکلا

اب جنوں سے بھی نہیں توقعِ آزادی کی — چاک داماں بھی باندازۂ داماں نکلا

ہائے وہ وعدۂ فردا کی مدد وقتِ اخیر — ہائے وہ مطلبِ دشوار کہ آساں نکلا

شوقِ بیتاب کا انجام تحیر پایا — دل جسے سمجھتے تھے دیدۂ حیراں نکلا

اس لیے کیا سینۂ صد چاک سے کھینچا فانی

دل میں کہتا ہوں وہ کہتا ہے کہ پیکاں نکلا

اب آنکھ اُٹھتی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مژگاں کو
وہ چھیڑا چاہتے ہیں نوکِ نشتر سے رگِ جاں کو
بہار آئی کہ یارب عید آئی اہلِ زنداں کو
گریباں نے گلے لپٹ لیا ہے بڑھ کے داماں کو
مرے تلووں سے کانٹوں پر نئی گلکاریاں ہوں گی
مری وحشت مبارک ہو جنونِ عیش ساماں کو
بیاباں کو یہاں لے آئے تھے کچھ خاک کے ذرے
یہی فتنے اُڑا لے جائیں گے اک دن بیاباں کو
نہ آیا موسمِ گل جب دلِ دیوانہ جیتا تھا
جواب آئے تو یارب آگ لگ جائے گلستاں کو
چھٹے جب قیدِ ہستی سے تو آئے کنجِ تربت میں
رہا ہوتے ہیں یعنی ہم بدل دیتے ہیں زنداں کو
خدا غارت کرے دل کو بڑی مشکل میں ڈالا ہے
نہ سمجھا عمر بھر ناداں فریبِ عشقِ انساں کو
نظر سے جب ملی اُن کی نظر دل میں اُتر آئی
ہم آنکھوں سے لگا کر دل میں رکھ لیتے ہیں پیکاں کو
دلِ فانیؔ سے گو نکلی مگر آساں نہیں نکلی
عجب سے تھی خدا بخشے امیدِ وصلِ جاناں کو

یہ ضبط بھی ادب آموزِ امتحاں نہ ہوا
کوئی ستم کبھی تقریبِ الاماں نہ ہوا

تنک سری ہے ترے عشق سے سبکدوشی
بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا

اجل کے زیرِ اثر ہو وہ نقشِ ہستی کیا
ہوا کے برق کے سایہ میں آشیاں نہ ہوا

کسی کی پرسشِ پنہاں سے کیوں ہو داد طلب
وہ حال جو کبھی منت کشِ زباں نہ ہوا

فغاں سے کوئی اثر تو کیا یہ کیا کم ہے
یہی سہی کہ وہ آزردۂ فغاں نہ ہوا

دلِ آپ یار سے روداد غم کہے تو کہے
مری زباں سے تو یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

جہانِ جاں میں نہیں یادِ یار دل میں نہیں
جمالِ یار کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

ہر آن فتنہ ہے ہر فتنہ اک قیامت ہے
ترا شباب ہوا دورِ آسماں نہ ہوا

ہمیں ابھی ترے اشعار یاد ہیں فانی
ترا نشاں نہ رہا اور بے نشاں نہ ہوا

عالمِ ہستی یارب کیا آباد تھا ویرانہ ہے — جسنے یہاں کچھ ہوش سنبھالا اُس نے یہی تو جانا ہے
کس کو یہاں اُمید اثر ہم دل کو سمجھا لیتے ہیں — حالِ دل اس سے یوں کہتے ہیں گویا اک افسانہ ہے

میں بھی اک پرتوِ ہستی ہوں مگر کیا کہیے — قطرۂ دریا ہی کس قطرے کو دریا کہیے
تھی نظر صرفِ تماشا وہ زمانہ گزرا — اب کوئی دن مری آنکھوں کو تماشا کہیے

خرابِ لذتِ دیدارِ یار ہم بھی ہیں — ترے شریکِ دلِ بیقرار ہم بھی ہیں
نہ دن کو چین ہیں نہ رات کو تری طرح اداس — جلے ہوئے تو چراغِ مزار ہم بھی ہیں
اُمیدِ مرگ ہے باقی تو نا اُمید نہیں — کہ اپنی وضع کے اُمیدوار ہم بھی ہیں
کسی کی بزمِ طرب میں کچھ ایک شمع ہی نہیں — حریفِ گریۂ بے اختیار ہم بھی ہیں
ادھر بھی دیدۂ عبرت نگاہ ایک نظر — کہ عہدِ شوق کی اک یادگار ہم بھی ہیں
یہاں بھی ہے دلِ آگاہ وقفِ لذتِ درد — خرابِ مستیٔ عیشِ خمار ہم بھی ہیں
زمینِ گورِ غریباں پہ اک جگہ نہ ٹھہر — کہیں کہیں نگہِ شرمسار ہم بھی ہیں
حجابِ ہوش اُٹھا اب کوئی حجاب نہیں — خیالِ یار سے اب ہمکنار ہم بھی ہیں

جنوں نے دی ہمیں راحت وگرنہ اے فانی
فتنۂ المِ روزگار ہم بھی ہیں

ہل گیا زنداں برا ہو نالۂ شبگیر کا
چونک اٹھا گھبرا کے ہر حلقہ مری زنجیر کا

میری تدبیروں کی مشکل اب تو یارب سہل کر
کیا یہ ساری عمر منہ تکتی رہیں تقدیر کا

میرے دل سے پوچھتے ہیں آپ کیا وجہ خلش
یاد ہے گم ہو گیا تھا کوئی پیکاں تیر کا

عشق کا بھی کیا تصرف ہے کہ دل اب دل نہیں
آئینہ ہے غم کی جیتی جاگتی تصویر کا

آپ کی آزردگی بے سبب بھی خوب ہے
کیا مزے کا ہے تقاضا عذرِ بے تقصیر کا

کس نظر سے اس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف
کانپ اٹھا ہر ذرہ میری خاکِ دامن گیر کا

برق کو اب کیا غرض کیا جل گیا کیا رہ گیا
جل گیا خرمن میں جو کچھ تھا مری تقدیر کا

فکرِ راحت چھوڑ بیٹھے ہم کو راحت مل گئی
ہم نے قسمت سے لیا جو کام تھا تدبیر کا

نامرادی حد سے گزری حالِ فانی کچھ نہ پوچھ
ہر نفس ہے اک جنازہ آہِ بے تاثیر کا

ترچھی نظر کا تیر ہے مشکل سے نکلے گا
دل اسکے ساتھ نکلے گا اگر یہ دل سے نکلے گا

شب غم میں بھی میری سخت جانی کو نہ موت آئی
ترا کام اے اجل اب خنجر قاتل سے نکلے گا

نگاہ شوق میرا مدعا تو ان کو سمجھا دے
مرے منہ سے تو حرف آرزو مشکل سے نکلے گا

کہاں تک کچھ نہ کہئیے اب تو نوبت جان تک پہنچی
تکلف برطرف اے ضبط نالہ دل سے نکلے گا

تصور کیا ترا آیا قیامت آگئی دل میں
کہ اب ہر ولولہ باہر مزار دل سے نکلے گا

نہ آئیں گے وہ تب بھی دم نکل ہی جائیگا فانی
مگر مشکل سے نکلے گا بڑی مشکل سے نکلے گا

روح آنسو بھری آنکھوں میں بیتاب ہے
آکہ حیات مستعار نقش بر آب ہے

قاعدہ دان ضبط ہے شعلۂ غم کی داد دے
برق کی وضع پر نہ جا بندۂ اضطراب ہے

کیا بلا تھی ادائے پرسشِ یار — مجھ سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
وہ قیامت اٹھائے پھرتے ہیں — آسماں آج زیرِ پا نہ ہوا

•

آہ بتوں پہ دل کیا آیا ہاتھ ہی سے نادان گیا
خیر بلا سے دل ہی جاتا جان گئی ایمان گیا

•

ہم اپنے جی سے گزرے یوں سحر کی — شبِ غم بڑھ چلی تھی مختصر کی
تمہیں کس دل سے اپنی جان کہتے — وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی
انہیں پہلے ہمیں کرنا چاہتا ہے — قضا آئی ہے کیا دردِ جگر کی
کشش کیسی کہاں کا جذبۂ دل — وہ آئے ہیں بن آئی ہے اثر کی
ہم اکثر جا کے ویرانے سے پلٹے — ہمارے گھر سے ویرانی نہ سرکی
مرا قتل اُن کے ہاتھوں یہ تو باتیں — کچھ اُن کے منہ کی ہیں کچھ نامہ بر کی
تمہارے عشق کا اللہ رے فیض — جگر میں دھوم ہے دردِ جگر کی
نگاہِ شوق کے دم تک تھیں آنکھیں — اب آنکھیں یادگاریں ہیں نظر کی
اُٹھا ہاتھ اے تصور فاتحہ کو — یہ دل کی ہے وہ تربت ہے جگر کی
غضبِ فرقت کٹی یا عمر فانی
اجل کے ساتھ آمد ہے سحر کی

یہ کس قیامت کی بیکسی ہے نہ میں ہی اپنا نہ یار میرا
نہ خاطرِ بے قرار میری نہ دیدۂ اشکبار میرا

نشانِ تربت عیاں نہیں ہے نہیں کہ باقی نشاں نہیں ہے
مزار میرا کہاں نہیں ہے کہیں نہیں ہے مزار میرا

وصال تیرا خیال تیرا جو ہو تو کیوں کر نہ ہو تو کیونکر
نہ تجھ پہ کچھ اختیارِ دل کا نہ دل پہ کچھ اختیار میرا

نگاہِ دلسوز کی دہائی جمالِ جانسوز کی دہائی
بہ محبت میں غم نے لوٹا شکیبِ صبر و قرار میرا

مَیں دردِ فرقت سے جاں بلب ہوں تمہیں یقیں تو نہیں ہے
مجھے نہیں اعتبار اپنا تمہیں نہیں اعتبار میرا

قدم نکال اب تو گھر سے باہر جو دم بھی سینے سے کل نکلے
دکھا نہ اب انتظار اپنا لحد کو ہے انتظار میرا

سُنا ہے اٹھا ہے اک بگولہ جلو میں کچھ آندھیوں کو لیکر
طوافِ وحشت جنوں کو شاید گیا ہے فانی غبار میرا

غم مٹا دیا غم کا لذّت آشنا کر کے
کیا کیا ستمگر نے خوگرِ جفا کر کے

کہتے ہو وفا کی بھی ایک حد معین تھی
کس قدر پشیماں ہوں ترکِ مدّعا کر کے

وہ مری شکایت پر چپ کھڑے ہیں محشر میں
بُت انھیں بنا پایا اب خدا خدا کر کے

وہ میرے جنازے پر بعد مرگ آئے ہیں
مدّعا ہوا حاصل ترکِ مدّعا کر کے

التفات ہر گز گفتنی نہیں یعنی
دل ٹھہر گیا فانیؔ موت کی دعا کر کے

ہر نفس آہ اور انفاس پہ جینے کا مدار
زندگی آہ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں

بے پردہ ذکرِ یار ہے در پردہ یادِ یار
میری زباں پہ ہے جو دلِ برہمن میں تھی

بعدِ فنا بھی کم نہ ہوئیں بے قراریاں
لاشہ نہ تھا مرا کوئی بجلی کفن میں تھی

وہ گل ہے گل جسے تری خلوت میں بار تھا
وہ شمع شمع ہے جو تری انجمن میں تھی

کیوں سادگی میں طور کچھ اب بانکپن کے ہیں
کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن میں تھی

بدلا ہوا تھا رنگ گلوں کا ترے بغیر
کچھ خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن میں تھی

اے یاس تو نے آ کے اسے بھی مٹا دیا
لذت سی کچھ جو شکوۂ رنج و محن میں تھی

لو آج مرگِ ثانیِ بیکس سے مٹ گئی
وہ اک خلش جو خاطرِ اہلِ وطن میں تھی

مجھے قسم ہے ترے صبر آزمانے کی
کہ دل کو اب نہیں برداشت غم اٹھانے کی

ترا اسیر ہوں چاہے تو ذبح کر صیاد
نہ توڑ دل کہ امانت ہے آشیانے کی

خیالِ یار ہے اک حسن و عشق کی دنیا
مری نگاہ میں ہیں گردشیں زمانے کی

زبانِ حال ٹھہر داستانِ عشق نہ چھیڑ
کہ خوابِ مرگ ہے تاثیر اس فسانے کی

گلہ ضرور نہیں حالِ بے خودی معلوم
تمہاری یاد کو عادت ہے بھول جانے کی

نہ دل سے طرف دیکھو نہ طور کو دیکھو
بلا کی دھن ہے تمہیں بجلیاں گرانے کی

نہ سانس کا ہے بھروسہ نہ آہ میں تاثیر
وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی

نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے
ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

جبینِ درد ہے بیتاب سجدے اے فانی
کدھر ہے خاک ترے دل کے آستانے کی

جگر خراش ہے حال اُن تباہ حالوں کا
جنہیں مٹا کے رہا حوصلہ خیالوں کا

کیا سوال تو آوازِ بازگشت آئی
جواب مجھ سے طلب ہے، مرے سوالوں کا

جنونِ شکوۂ بیداد پر خدا کی مار
اثر کے ساتھ گیا اعتبار نالوں کا

تعینات کی حد سے گزر رہی ہے نگاہ
بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والوں کا

کسی کی غم کی کہانی ہے زندگی فانیؔ
زمانہ ایک فسانہ ہے مرنے والوں کا

فصلِ جبر بڑھا گئے عمر کے بابِ راز میں
یادِ وصالِ مختصر مل کے شبِ دراز میں

جلوۂ اختیار سے نسبتِ جبر ہے مجھے
شعلۂ آرمیدہ ہوں وادیٔ برقِ ناز میں

بے اثری ہی مجھے قبول ایسے اثر کو کیا کروں
اب تو خدا اثر نہ دے آہِ اثر گداز میں

ہم نہ ازل سے آج تک سجدے سے سر اُٹھا سکے
چھپ رہے جلوہ ہائے دوست کس کی جبینِ نیاز میں

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچۂ دل ہی چھُوٹ گیا
ساری اُمیدیں ٹوٹ گئیں دل بیٹھ گیا جی چھُوٹ گیا

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھُلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

لیجئے کیا دامن کی خبر اور دستِ جنوں کو کیا کہئے
اپنے ہی ہاتھ سے دِل کا دامن مدت گزری چھوٹ گیا

منزلِ عشق میں تنہا پہنچے کوئی تمنّا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اِک اِک ساتھی چھوٹ گیا

فانیؔ ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن !
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

٭

کیا کیا نہ اس نے کام لیا اک حجاب سے
اکثر صفیں نظر کی اُلٹ دیں نقاب سے

دل کیا ہے پوچھ اپنے رُخِ بے نقاب سے
شاید نشانِ ذرّہ ملے آفتاب سے

جاتی ہے لے اُمید کہاں دل اُجاڑ کر
چل دے کوئی نہ اُٹھ کے جہانِ خراب سے

کل تک جو تم سے کہہ نہ سکا حالِ اضطراب
ملتی ہے آج اُس کی خبر اضطراب سے

یا میرے بے شمار گناہوں سے درگزر
یا میرے عذرِ شکرِ کرمِ بے حساب سے

اے آرزوئے دیدہ وہ دن کیا ہوئے کہ دل
لبریز شکوہ تھا مگر کامیاب سے

فانیؔ جہانِ عشق میں لاکھ انقلاب
تم بدگماں نہیں اثرِ انقلاب سے

تو شمعِ آئینہ خانہ ہے آئینہ کیا ہے
تری خدائی کے قرباں ماسوا کیا ہے
اُٹھا بھی دے نگہِ ماسوا نگر کا حجاب
یہ دیکھنے ہی کا پردہ ہے دیکھتا کیا ہے
کیا ہے خلق مجھے باوجودِ علمِ گناہ
یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے

اُبھری ہوئی ہے چوٹ دلِ دردمند کی
رکھنا قدم تصورِ جاناں سنبھال کے
کہتے ہیں جس کو ظرفِ محبت میں داغِ دل
وہ نقش تو نہ ہوں ترے پائے خیال کے
ہنگامۂ شباب ہے اے دل ذرا ٹھہر
جاتا ہے تو کہاں مجھے آفت میں ڈال کے
قرباں ایک آمدِ غم پہ ہزار دل
صدقے اس ابتدائے قیامت مآل کے

کیوں نہ نیرنگِ جنوں پر کوئی قرباں ہو جائے
گھر وہ صحرا کہ بہار آئے تو زنداں ہو جائے

برق دم لینے کو ٹھہرے تو رگِ جاں ہو جائے
فتنۂ حشر مجسم ہو تو انساں ہو جائے

جوہرِ آئینۂ دل ہے وہ تصویر ہے تو
دل وہ آئینہ کہ تو دیکھ کے حیراں ہو جائے

غم وہ راحت جسے قسمت کے دھنی پاتے ہیں
دم وہ مشکل ہے کہ موت آئے تو آساں ہو جائے

عشق وہ کفر کہ ایمان ہے دل والوں کا
عقل مجبور وہ کافر جو مسلماں ہو جائے

ذرہ وہ سازِ بیاباں ہے جو افسانہ ہُوا
وسعتِ دشت ہے وہ ذرہ جو بیاباں ہو جائے

غمِ محسوس وہ باطل جسے کہتے ہیں مجاز
دل کی مستی وہ حقیقت ہے جو عریاں ہو جائے

خلد میخانہ کو کہتے ہیں بقولِ واعظ
کعبہ بتخانہ کو کہتے ہیں جو ویراں ہو جائے

سجدہ کہتے ہیں درِ یار پہ مر جانے کو
قبلہ وہ سر ہے جو خاکِ رہِ جاناں ہو جائے
موت وہ دن بھی دکھائے مجھے جس دن فانی
زندگی اپنی جفاؤں پہ پشیماں ہو جائے

•

سمائیں آنکھ میں کیا شعبدے قیامت کے
مری نظر میں جچے ہیں کسی کی قامت کے
یہاں بلائے شبِ غم وہاں بہارِ شباب
کسی کی رات کسی کے لئے دن قیامت کے
ستارے ہوں تو ستارے نہ ہوں تو برقِ بلا
چراغ ہیں تو یہ ہیں بیکسوں کی تربت کے
الٹ دیا غمِ عشقِ مجاز نے پردہ
حجابِ حسن میں کچھ راز تھے حقیقت کے
اڑا لئے ہیں کچھ انداز موت نے فانی
عتابِ یار کے روزِ سیاہ فرقت کے

کچھ اس طرح تڑپ کے مَیں بے قرار رویا
دشمن بھی چیخ اُٹھے بے اختیار رویا

کیا اس کی بیقراری یاد آ گئی ہماری
مِل مِل کے ہچکیوں سے ابرِ بہار رویا

آیا ہے بعدِ مدت بچھڑے ہوئے ملے ہیں
دِل سے لپٹ لپٹ کر غم بار بار رویا

نازک ہے آج حالت شاید مریضِ غم کی
کیا چارہ گر نے سمجھا کیوں زار زار رویا

کچھ بھی ہوں برق و باراں ہم تو یہ جانتے ہیں
اک بے قرار تڑپا اک دِل فگار رویا

فانیؔ کو یا جنوں ہے یا تیری آرزو ہے
کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رویا

دیا اک جان کے دشمن کو دل جس نے یہ دلبر کی
یہ ہے اپنی کہانی قصہ کوتہ زندگی بھر کی

الٰہی کیا خبر لاتا ہے قاصد وصلِ دلبر کی
بلائیں لے رہی ہیں میری تدبیریں مقدر کی

قضا آئی طبیب آیا وہ آئے دیکھ کون آیا
کبھی لے اے جنوں زنجیر کھڑکا کی مرے در کی

وہ شامِ وصلِ دشمن زلف سلجھاتے ہیں رک رک کر
انہیں یاد آ گئیں کیا گتھیاں میرے مقدر کی

اجل کی آرزو ہو دل میں فانیؔ اور دنیا ہو
خدا رکھے یہی رونق ہے اس اجڑے ہوئے گھر کی

فرقت میں تارِ اشک ہے ہر تارِ آستیں
ہر داغِ خوں ہے دیدۂ خونبارِ آستیں

رکھ پنجۂ جنوں سے سر و کارِ آستیں
کتنے رہیں گے ہاتھ گرانبارِ آستیں

کل تک جو ہاتھ چشم و چراغِ جنوں رہا
ہے آج فرطِ ضعف سے آزارِ آستیں

انبار آنسوؤں کے ہیں خونِ جگر کے ڈھیر
معمور ہے خزانۂ سرکارِ آستیں

اُسی کو تم مگر اے اہلِ دُنیا جان کہتے ہو
وہ کانٹا جو مری رگ رگ میں رہ رہ کر کھٹکتا ہے

نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہوں نالے
خبر دل کی نہ ہو دل کو کہیں ایسا بھی ہوتا ہے

شبِ فرقت میں ہم ہر سانس سے پوچھ لیتے ہیں
جگر تو خیریت سے ہے مزاجِ دل تو اچھا ہے

یہ کیا کہتے ہو فانیؔ سے کہ تیری موت آئی ہے
تم اُس ناکام کے دِل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں
ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

بے ادب گریۂ محرومیِ دیدار نہیں
ورنہ کچھ در کے سوا حاصلِ دیوار نہیں

آسماں بھی ترے کوچہ کی زمیں ہے لیکن
وہ زمیں جس پہ ترا سایۂ دیوار نہیں

ہائے دُنیا وہ تری سرمہ تقاضا آنکھیں
کیا مری خاک کا ذرہ کوئی بیکار نہیں

شباب ہوش کی نئی انجمن یادگار ہوئی
جو عمر صرفِ تماشائے حسنِ یار ہوئی

حسابِ حسرتِ جرمِ نظارہ دل سے پوچھ
نظر تو ایک جھلک کی گناہ گار ہوئی

بساطِ عجز میں اک آہ تھی متاعِ حیات
سو وہ بھی صرفِ ستم ہائے روزگار ہوئی

بقدرِ ہستیٔ دل ہے خمارِ غم بدنام
خزاں خراب باندازۂ بہار ہوئی

نہیں کہ آہ میں تاثیر ہی نہیں لیکن
یہ دل فگار کبھی آسماں فگار ہوئی

کرم ہے رازِ امیدِ کرم کی ہستی کا
امید تیرے کرم کی امیدوار ہوئی

بلا سے ہجر میں جینے کی انتہا تو ہے
وہ ایک بار ہوئی یا ہزار بار ہوئی

وہ دل میں خلق ہوئی تھی جو بجلیوں کی تڑپ
تری نگاہ مری جانِ بے قرار ہوئی

میرے وجود کی حجت میرے عدم کی دلیل

وہ اک نظر تھی جو شاید جگر کے پار ہوئی
بہارِ نذرِ تغافل ہوئی خزاں ٹھہری
خزاں شہیدِ تبسم ہوئی بہار ہوئی

•

یہ ہستی دو روزہ گویا کہ نہیں فانی
اللہ رے بڑا اے دل اندازہ پریشانی
تعبیر اجل نے دی اس خواب پریشاں کی
ہم مر کے تجھے سمجھے اے ہستی انسانی
کیونکر میں کہوں تم نے آئینہ نہیں دیکھا
بے وجہ نہیں ہرگز آئینہ کو حیرانی
حسن میری خموشی سے افسانۂ غم میرا
دزدیدۂ نگاہی ہے کہ پرسش پنہانی
کیا ہم شبِ وصل ان سے فرصت کا گلہ کرتے
تھی رات بہت تھوڑی اور بات تھی طولانی
ہاں میرے قدم سے ہے ویرانے کی آبادی
واں گھر میں خدا رکھے آباد ہے ویرانی

دُنیا میری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے

آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اُجڑے پھر نہ بسے دِل وہ نرالی بستی ہے

خود جو نہ ہونے کا ہو عدم کیا اُسے ہونا کہتے ہیں
نیست نہ ہو تو ہست نہیں یہ ہستی کیا ہستی ہے

عجزِ گناہ کے دم تک ہیں عصمت کامل کے جلوے
پستی ہے تو بلندی ہے رازِ بلندی پستی ہے

جان سی شے بک جاتی ہے اِک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی ان داموں تو سستی ہے

وحشتِ دِل سے پھرنا ہے اپنے خدا سے پھر جانا
دیوانے یہ ہوش نہیں یہ تو ہوش پرستی ہے

جگ سونا ہے تیرے بغیر آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دُنیا بستی ہے اب بھی دُنیا بستی ہے

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ اُمڈا آتا ہے
دِل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے

دِل کا اُجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم

بستی بسنا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے
فانیؔ جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

دل کی لگی نہیں تو خیر اب کوئی دل لگی سہی
فتنۂ شام غم کے بعد فتنۂ حشر ہی سہی
سازِ خیالِ یار سے چھیڑ چلی ہی کیوں نہ جائے
نغمۂ آرزو سنا نوحۂ یاس ہی سہی
شیوۂ عاشقی نہیں ہجر میں آرزوئے مرگ
ہاں نہیں زندگی عزیز موت ہی زندگی سہی

●

ہر چند ہے کہ لیکن ملتا ہے نشاں کوئی
پہلو میں تجھے ڈھونڈے اب درد کہاں کوئی
یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہئے
تو چپ ہیں کہ کیا کہئے کھلتی ہے زباں کوئی
برگشتہ مقدر کی تاثیر ارے توبہ
دل ہی پہ پلٹ آئی کی آہ جہاں کوئی

جاتا ہے صبر بے سرو ساماں کئے ہوئے
ناموسِ عشق ہدیۂ مژگاں کئے ہوئے

افشائے رازِ اہلِ جنوں مصلحت نہیں
پھرتا ہوں دھجیوں کو گریباں کئے ہوئے

پھر لے چلا ہے گریۂ بیتاب خطِ شوق
دِل کے لہو کو زینتِ عنواں کئے ہوئے

پھر ناوکِ نگاہ کا دِل پھر سوئے دِل
سامانِ صد جراحتِ پنہاں کئے ہوئے

دِل کی لحدِ خاک اُڑانے چلا ہے عشق
ذرّہ سے اکتسابِ بیاباں کئے ہوئے

پھر گوشہ گیر حلقۂ زنجیر ہے جنوں!
صحرا کو بقدرِ تنگیٔ زنداں کئے ہوئے

اور ایک دردِ دل بھی رہا ہر نفس کے ساتھ
دُشواریٔ حیات کو آساں کئے ہوئے

طوفانِ اضطرابِ جنوں اُٹھ کے میرے
بیٹھا ہوں جمع خاطرِ داماں کئے ہوئے

اے عقلِ غم فروشِ فراغت نما ٹھہر

آتا ہے عشق درد کو درماں کیے ہوئے

کیوں اہلِ حشر ہے کوئی نقادِ سوزِ دل
لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کیے ہوئے

فانیؔ اب اُن کی یاد پہ کیا کیجئے نثار
مدت ہوئی وداعِ دل و جاں کیے ہوئے

❁

تو جانِ مدعائے دل اُدھر دل جگہ جگہ
ہے ایک شمعِ رونقِ محفل جگہ جگہ

حسرت جُدا اُمید جُدا آرزو جُدا
دُنیائے دل میں ہیں ترے بسمل جگہ جگہ

مٹ کر بھی داغ شاہدِ خونِ شہید ہے
دھویا ہوا ہے دامنِ قاتل جگہ جگہ

تو نے فراقِ دل ہمیں دیوانہ کر دیا
پھرتے ہیں پوچھتے خبرِ دل جگہ جگہ

رو رو کے ایک ایک قدم پر رہا ہوں میں

ہنستی ہے مجھ پہ دوریِ منزل جگہ جگہ
غم اصلِ کائنات ہے دل جوہرِ حیات
دل غم سے غم ہے دل سے مقابل جگہ جگہ
غربت میں تنگ راہ کچھ آسانیاں بھی تھیں
کھاتی ہے ٹھوکریں مری مشکل جگہ جگہ
کیا پوچھتا ہے وعدہ شکن کیا ہیں دل کے داغ
ابھرے ہیں نقشِ وعدۂ باطل جگہ جگہ
اک سرگزشت ورق ہے ہر ذرّہ خاک کا
پہنچی ہے داستانِ غمِ دل جگہ جگہ
اب یادگار فانیِ بسمل ہے اس قدر
گلگوں ہے خاکِ کوچۂ قاتل جگہ جگہ

•

اے داغِ دل اے کھوئے ہوئے دل کی نشانی
آ فانیِ بیدل تجھے سینے سے لگا لے

•

مطلب ہے ضبطِ شوق سے تاثیرِ درد عشق | اخفائے حال سے غرض افشائے حال ہے
روداد مرگ و زیست یہ ہے قصّہ مختصر | مجبورِ زندگی کو بھی جینا محال ہے

غم مجسم نظر آیا تو ہم انساں سمجھے
برق جب جسم سے وابستہ ہوئی جاں سمجھے

شوق کی گرمیٔ ہنگامہ کو وحشت جانا
جمع جب خاطرِ وحشت ہوئی ارماں سمجھے

حکمِ وحشت ہے کہ زنداں کو بھی صحرا جانو
دل وہ آزاد کہ صحرا کو بھی زنداں سمجھے

فانیؔ اس عالمِ ظاہر میں سراپا غم تھا
چھپ گیا خاک میں تو ہم غمِ پنہاں سمجھے

●

ہر چند کچھ اور ہے حقیقت
کہنے کو جو میں نہیں وہ تو ہے

کیا کیجیے سیرِ باغِ عالم
گُل پردہ نشیں رنگ و بُو ہے

اللہ رے تری فسوں نوازی
جو دل ہے طلسمِ آرزو ہے

●

ہر ستم کا یہ تقاضا ہے کہ ہو فریاد بھی
اب تو جینا ہی پڑے گا شاد بھی ناشاد بھی

گلشنِ تصویر میں تھے طائرِ تصویر ہم
کیا کہیں کیونکر رہے مجبور بھی آزاد بھی

خیر ہے کیا چاہتی ہے اے نسیمِ کوئے یار
اب تو ظالم میری مٹی ہو چکی برباد بھی

●

اجل جو آئے تو اپنا بھی کام ہو جائے
نگاہِ ناز کا صدقہ نیاز مند ہیں ہم

تمام عمر کا قصہ تمام ہو جائے
کبھی قبول ہمارا سلام ہو جائے

نہیں ضرور کہ مر جائیں جاں نثار ترے
یہی ہے موت کہ جینا حرام ہو جائے

تری جدائی میں ہوتی ہے ہر سحر کی شام
الٰہی اپنی سحر کی بھی شام ہو جائے

•

کی وفا یار سے ایک ایک جفا کے بدلے
ہم لُٹے گن گن کے لُٹے خونِ وفا کے بدلے
کی سپردِ دربتخانہ اجل نے مری خاک
کس کو سونپا تجھے ظالم لئے خدا کے بدلے
لطف۔ بیداد۔ حیا۔ غصہ۔ تغافل شوخی
رنگ کیا کیا نہ تلون نے ادا کے بدلے
تیر سے تیغ سے خنجر سے سناں سے مارا
کئی پہلو مرے قاتل نے قضا کے بدلے
کفن اے گردِ لحد دیکھ نہ میلا ہو جائے
آج ہی ہم نے یہ کپڑے ہیں نہا کے بدلے
عشق اللہ بچائے وہ مرض ہے فانی
زہر بیمار کو دیتے ہیں دوا کے بدلے

•

دیکھ فانیؔ وہ کوئی حشر اُٹھاتا آیا
چونک اب خوابِ لحد سے کہ سحر ہوتی ہے

•

جادو جگا گئی ہے جب نظر کی گیتی   بیہوش منتقب اس رہگذر کی بستی

•

فانی کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی
ملے خوابِ محبت کی تعبیر نظر آئی

پھر ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی
لہراتی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی

جب میں نے دعاؤں کا رخ سوئے فلک دیکھا
تدبیر کے پہلو میں تقدیر نظر آئی

جو دل سے نکل آئی وہ آہ ستاں نکلی
جو ڈوب گئی دل میں وہ تیر نظر آئی

ہر عیش کی محفل میں پروانہ کا ماتم تھا
جو شمع نظر آئی دلگیر نظر آئی

کعبہ میں کلیسا میں ہم نے تو جہاں دیکھا
اے قصرِ وفا تیری تعمیر نظر آئی

جب خون ہوا دل کا وہ آنکھوں میں آ بیٹھے
اشکوں کا حجاب اٹھا تاثیر نظر آئی

کایا غمِ دنیا کی وحشت نے پلٹ دی ہے
خاکِ رہِ ویرانہ اکسیر نظر آئی

دنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے

ڈھندلی سی مجھے دل کی تصویر نظر آئی

دل اُن کے نہ آنے تک لبریز شکایت تھا
وہ آئے تو اپنی ہی تقصیر نظر آئی

فانیؔ غمِ ہستی نے زندہ ہی مجھے سمجھا
جب تک مرے مرنے میں تاخیر نظر آئی

●

جب دِل میں ترے غم نے حسرت کی بنا ڈالی
دُنیا مرے راحت کی قسمت نے مٹا ڈالی

اب برقِ نشیمن کو ہر شاخ سے کیا مطلب
جس شاخ کو تاکا تھا وہ شاخ جلا ڈالی

اظہارِ محبت کی حسرت کو خدا سمجھے
ہم نے یہ کہانی بھی سَو بار سُنا ڈالی

جینے بھی نہیں دیتے مرنے بھی نہیں دیتے
کیا تم نے محبت کی ہر رسم اٹھا ڈالی

جینے میں نہ اَب فانی مَرنے میں شمار اپنا
ماتم کی بساط اُس نے کیا کہہ کے اُٹھا ڈالی

•

اب اُنہیں اپنی اداؤں سے حجاب آتا ہے
چشمِ بد دُور دُلہن بن کے شباب آتا ہے

ہجر میں بھی مجھے امدادِ اجل تھی درکار
میری تربت پہ نہ آ تجھ سے حجاب آتا ہے

دیدِ آخر ہے اُلٹ دیجئے چہرے سے نقاب
آج مشتاق کے چہرے پہ نقاب آتا ہے

کس طرف جوشِ کرم تیری نگاہیں اُٹھیں
کون محشر میں سزاوارِ عتاب آتا ہے

موت کی نیند بھی اب چین سے سونا معلوم
کہ جنازہ پہ وہ غارت گرِ خواب آتا ہے

دِل کو اس طرح ٹھہر جانے کی عادت تو نہ تھی
کیوں اچھل گیا مرے نامے کا جواب آتا ہے

جلوۂ رنگ ہے یہ رنگِ تقاضائے نگاہ
کوئی مجبورِ تماشائے سراب آتا ہے

ہو گیا خون ترے ہجر میں دِل کا شاید
اب تصور بھی ترا نقش بر آب آتا ہے

مِٹتی جلتی ہے مری عمرِ دو روزہ فانیؔ
جی بھر آتا ہے اگر ذکرِ حباب آتا ہے

ناکام ازل کی کامرانی معلوم
قسمت میں نہ ہو تو شادمانی معلوم
جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید
ورنہ فانی کی زندگی معلوم

اے کاش شہادت کے ارمان نکل جاتے
قاتل کی نگاہوں کے تیور ہی بدل جاتے
آتے وہ تو فرقت کے دکھ کیا ہیں اجل کیسی
آئی ہوئی ٹل جاتی آئے ہوئے ٹل جاتے
عذاب مجھے خیال ہے صدقہ ترے خنجر کا
یہ بار اتر جاتا جو وار تھے چل جاتے

بلبل کو چمن کی زندگی راس آئی
پھولوں کو غریب الوطنی راس آئی
فانی کو زندگی میں راس آیا کچھ
آئی بھی تو اک موت ہی راس آئی

وہ عشق ہوئے تغافل پھر ایک بار رہے
بہت دنوں مرے ماتم میں سوگوار رہے

خدا کی مار جو اب دل پہ اختیار رہے
بہت قرار کے پردے میں بیقرار رہے

کسی نے وعدۂ صبر آزما کیا تو ہے
خدا کرے کہ مجھے تاب انتظار رہے

تمنا کے بعد یہ مجبوریاں ارے توبہ
کوئی مزار میں کوئی سرِ مزار رہے

سکونِ موت مری لاش کو نصیب نہیں
رہے مگر کوئی آشنا نہ بے قرار رہے

میں کب سے موت کے اس آسرے پہ جیتا ہوں
کہ زندگی مرے مرنے کی یادگار رہے

جو دن بچا نہ سکے جان کیا بچا لیں گے
نہ اختیار رہا ہے نہ اختیار رہے

میں مجسم نصیب، وہ مجبورِ شوق ہوں فانی
جو نامراد جئے اور امیدوار رہے

جس قدر چاہیئے جلوے کو فراوانی دے
ہاں نظر دے تو مجھے فرصتِ حیرانی دے

ترجمانِ غمِ دل رنگِ شکستہ ہے نہ آہ
کون اس عہد میں اب دادِ زباں دانی دے

وحشتِ تازہ کا مژدہ مبارک اے عشق
پھر بہار آئی مجھے خلعتِ عریانی دے

پھر مجھے زحمتِ درباں نہ مجھے شکوۂ غیر
میری قسمت کو جو تو خدمتِ دربانی دے

خلشِ درد سے کم مایۂ غم ہیں محروم
جنسِ حرماں کو خدا عزتِ ارزانی دے

بے ہوس ہوش تو اس ہوش سے میں باز آیا
کاش پھر بے خبری مژدۂ نادانی دے

اپنے دیوانے پہ اتنا تو کرم کر یارب
درو دیوار دیئے اب انہیں ویرانی دے

شق کے افسانۂ دل پھر مختتم ہو چکا
گریۂ شوق کو پھر دعوتِ طغیانی دے

رہ نہ جائے کہیں دشوارئ خانی باقی
اس کی مشکل کو بھی کچھ رخصتِ آسانی دے

ٹوٹا طلسمِ ہستیِ فانی کے راز کا
احسان مند ہوں المِ جاں گداز کا

تمہیدِ صد ہزار قیامت ہے ہر نفس
عنوانِ شوق ہوں گلہ ہائے دراز کا

عبرت سرائے دل میں ہوں آوازِ دور باش
مارا ہوا ہوں خاطرِ حسرت نواز کا

اُٹھتی نہیں ہے تہمتِ نظارۂ جمال
منہ دیکھتا ہوں جلوۂ نظارہ ساز کا

ناآشنائے لطف ہوں بیگانہ عتاب
صورت شناس ہوں نگہِ امتیاز کا

احساسِ بےخبریِ بادہ گوارا ہوا مجھے
لا جام ساقیا مئے مینا گداز کا

فانی دوائے دردِ جگر زہر تو نہیں
کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا

کسی کے ایک اشارے سے کس کو کیا نہ ملا
بشر کو زیست ملی موت کا بہانہ ملا

مذاقِ تلخ پسندی نہ پوچھ اس دل کا
بغیر مرگ جسے زیست کا مزہ نہ ملا

دبی زبان سے مرا حال چارہ ساز نہ کہہ
بس اب تو زہر ہی دے زہر میں دوا نہ ملا

خدا گواہ، دین نہیں ظرفِ خلق پر موقوف
یہ دل بھی کیا ہے جسے درد کا خزانہ ملا

دعا گدائے اثر ہے گدا پہ تکیہ نہ کر
کہ اعتمادِ اثر کیا ملا ملا نہ ملا

ظہورِ جلوہ کو ہے ایک زندگی درکار
کوئی اجل کی طرح دیدہ آشنا نہ ملا

تلاشِ خضر میں ہوں رہ شناسِ خضر نہیں
مجھے یہ دل سے گلہ ہے کہ رہنما نہ ملا

نشانِ مہر ہے ہر ذرہ ظرفِ مہر نہیں
خدا کہاں نہ ملا اور کہیں خدا نہ ملا

مری حیات ہے محرومِ مدعائے حیات
وہ رہ گزر ہوں جسے کوئی نقشِ پا نہ ملا

وہ نامرادِ اجل ہوں بزمِ یاس میں بھی
یہاں بھی فانیؔ آوارہ کا پتہ نہ ملا

قربانِ عشق موت کبھی آئی تو کیا ہوا
اس تیرِ بے خطا کا نشانہ خطا ہوا

کیوں خونِ دل لگی ہی رہے گی جگر میں آگ
اے ننگِ عاشقی تری غیرت کو کیا ہوا

قاتل سنبھل کہ یہ نگہ واپسیں نہیں
خنجر ہے میرے دل کے لہو میں بجھا ہوا

اے جذبِ بیخودی ترے قربان جائیے
پھرتا ہے دل میں کوئی تجھے ڈھونڈتا ہوا

طوفاں ہی ایک کیا مجھے طوفاں سے کم نہیں
لنگر ہوا، سفینہ ہوا ناخدا ہوا

میری ہوس کو عیشِ دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دکھا ہوا

فانی طلسمِ راز، حقیقت یہ ہے کہ ہے
مجھ پر تری نگاہ کا پردہ پڑا ہوا

قطرہ دریائے آشنائی ہے کیا تری شانِ کبریائی ہے
تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے خلشِ درد کی بن آئی ہے
وہم کو بھی ترا نشاں نہ مِلا نارسائی کی نارسائی ہے
کون دِل ہے جو دردمند نہیں کیا ترے درد کی خدائی ہے
جلوۂ یار کا بھکاری ہوں شششِ جہت کاسۂ گدائی ہے
موت آتی ہے تم نہ آؤ گے تم نہ آئے تو موت آئی ہے
بچھ گئے راہِ یار میں کانٹے کس کو عذرِ برہنہ پائی ہے
ترکِ اُمید بس کی بات نہیں ورنہ اُمید کب بر آئی ہے
مژدۂ جنتِ وصال ہے موت زندگی محشرِ جدائی ہے
آرزو پھر ہے در پئے تدبیر سعیِ ناکام کی دُہائی ہے

موت ہی ساتھ دے تو دے فانیؔ
عمر کو عذرِ بے وفائی ہے

اِک فسانہ سُن گئے اِک کہہ گئے
میں جو رویا مُسکرا کر رہ گئے

یا ترے محتاج ہیں اے خونِ دل
یا اُنھیں آنکھوں سے دریا بہہ گئے

موت اُن کا مُنہ ہی تکتی رہ گئی
جو تری فرقت کے صدمے سہہ گئے

تو سلامت ہے تو ہم اے دردِ دل
مر ہی جائیں گے جو جیتے رہ گئے

پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا
پھر کلیجہ تھام کر ہم رہ گئے

اُٹھ گئے دُنیا سے فانی اہلِ ذوق
ایک ہم مرنے کو زندہ رہ گئے

جنسِ دِل مُفت چھنا اگر کوئی دیوانہ بنے
زُلفِ جاناں سے بنا ہے کبھی سودا نہ بنے
اے تری شان کو بُتخانہ تو کعبہ بن جائے
دِل کو مسکن ہے ترا کعبہ سے بُتخانہ بنے
لَب تک آ جائے غمِ ہجر تو شِکوہ ہو جائے
آپ سُن لیں تو عجب کیا ہے کہ افسانہ بنے

اُس نورِ مجسم کے افسانے کو کیا کہیئے
ہے شمع کبھی پروانہ پروانہ کو کیا کہیئے
ہر در سے ترے طالب ناکام پلٹ آئے
کعبے میں ہے سناٹا بتخانے کو کیا کہیئے

رباعیات

کچھ خیر ہے یاد دیار میں گزری عمر
کچھ موت کے انتظار میں گزری عمر
آیا کبھی اگر ہوش تو بے چین رہے
کچھ نشہ میں کچھ خمار میں گزری عمر

●

کچھ کام نہیں نام کر جانے دے
یا رب اب دنیا سے گزر جانے دے
مر مر کے جیئے جائے کہانتک فانی
جینا نہیں منظور تو مر جانے دے

●

نیرنگیٔ حیات و جذبات ہوں میں
جو فہم سے ہو بعید وہ بات ہوں میں
جس رات کے دو پہر ہوں ہستی و عدم
فانی بیمارِ غم کی وہ رات ہوں میں

●

آماجگہِ ناوک آفات ہوں میں
تلخی کشِ زہرِ عیش مافات ہوں میں!
عبرت کدہ دہر میں شاید فانی
جینا ہے گناہ اور مکافات ہوں میں

حضرتِ فانیؔ کا یہ کلام محض نوحۂ غم ہی نہیں مقصدِ حیات بھی ہے۔ انہوں نے مایوسیوں کے اندھیروں میں جا بجا امید کے چراغ بھی جلائے ہیں۔

کلام فانی۔ فانیؔ بدایونی کا ایک ایسا شعری مُرقعہ ہے۔ جو اُسے صفِ اول کے شعراء میں ممتاز و بلند مقام کا مستحق بناتا ہے ہر ہر شعر فن کی بلندیوں کی انتہا ہے۔

قیمت فی کتاب 1/-